لیتفقہوا فی الدین

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

ماہ نامہ

مفاہیم

کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقہ فی الدین کا داعی ادارہ

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

مولانا حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- مولانا سید اسامہ علی
- مولانا ابرار حسین
- مولانا عابد علی بھٹی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

مضامین

۱	مجھ پہ بھی چشمِ کرم اے مرے آقا کرنا	پیر نصیر الدین شاہ نصیرؒ	۳
۲	یہود کی ازلی بزدلی	مدیر	۵
۳	قربانی کے فضائل و مسائل	مفتی اویس پاشا قرنی	۸
۴	قصیدۃ الہجرۃ النبویۃ الشریفۃ	مولانا محمد اقبال	۱۶
۵	ہمارے عقائد پر جدید تعلیم کے اثرات	ڈاکٹر محمد رشید ارشد	۲۰
۶	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ	صوفی جمیل الرحمٰن عباسی	۲۹
۷	شاعرِ انقلاب معین بسیسو	مولانا ہوش محمد پاشا	۳۵
۸	آلِ عثمان سے ایک یادگار ملاقات	مفتی اویس پاشا قرنی	۴۱
۹	اجتماعی قربانی میں بقیہ شرکا کی آمدنی کی تحقیق	دارالافتاء، فقہ اکیڈمی	۴۷
۱۰	قربانی سے متعلق چند سوالات	دارالافتاء بنوری ٹاؤن	۴۹
۱۱	چراغ اپنا جلا رہا ہے	مولانا حماد احمد ترکؒ	۵۱

نعت

پیر نصیر الدین شاہ نصیرؔ

مجھ پہ بھی چشمِ کرم اے مرے آقا کرنا

مجھ پہ بھی چشمِ کرم اے مرے آقا کرنا
حق تو میرا بھی ہے رحمت کا تقاضا کرنا

میں کہ ذرّہ ہوں مجھے وسعتِ صحرا دے دے
کہ ترے بس میں ہے قطرے کو بھی دریا کرنا

میں ہوں بے کس تیرا شیوہ ہے سہارا دینا
میں ہوں بیمار تیرا کام ہے اچھّا کرنا

تو کسی کو بھی اٹھاتا نہیں اپنے در سے
کہ تری شان کے شایاں نہیں ایسا کرنا

تیرے صدقے وہ اسی رنگ میں خود ہی ڈوبا
جس نے جس رنگ میں چاہا مجھے رسوا کرنا

یہ ترا کام ہے اے آمنہ کے دُرِّ یتیم
ساری امت کی شفاعت تنِ تنہا کرنا

آل و اصحاب کی سنّت مرا مِعیارِ وفا
تری چاہت کے عوض جان کا سودا کرنا

شاملِ مقصدِ تخلیق یہ پہلو بھی رہا
بزمِ عالم کو سجا کر تیرا چرچا کرنا

مجھ پہ محشر میں نصیرؔ ان کی نظر پڑ ہی گئی
کہنے والے اسے کہتے ہیں خدا کا کرنا

* * * * *

اداریہ

یہود کی ازلی بزدلی

سیدنا عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سورۃُ الحشر کو ''سورۃُ بنی نضیر'' بھی کہا کرتے تھے، اس لیے کہ اس سورت میں یہودِ مدینہ کے ایک قبیلے بنو نضیر کو اس کی غداریوں اور بد عہدیوں کی سزا دیتے ہوئے جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ اس جلاوطنی کے لیے اَلْحَشْرِ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کی بنا پر اس سورت کا نام سورۃ الحشر پڑ گیا۔ یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے أَوَّلِ الْحَشْرِ کی ترکیب استعمال کی یعنی یہ تو پہلا حشر ہے ابھی اور بھی ہونے ہیں۔

فلسطین میں حماس اور اسرائیل کی جنگ کئی مہینوں سے جاری ہے، ہم کہتے ہیں کہ عن قریب مجاہدین اسرائیل کا حشر نشر کریں گے، لیکن بظاہرِ احوال یہ دیوانے کی بڑ معلوم ہوتی ہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں لیکن پھر بھی کہتے ہیں کہ یہود کا حشر نشر ہونے والا ہے، اس لیے کہ ''پہلے حشر'' کے موقعے پر بھی بظاہر احوال کچھ ایسے ہی تھے۔ لوگوں کو یقین نہیں تھا کہ یہود کا حشر ہونے والا ہے نہ مسلمانوں کو اور نہ ہی یہودیوں کو۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقعے پر دو طرفہ کیفیات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللهِ﴾ (سورۃ الحشر:۲) ''تم نہیں سمجھتے تھے کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ یہود بھی سمجھتے تھے کہ انھیں ان کے قلعے اللہ کی پکڑ سے بچا لیں گے''۔ لیکن ہوا کیا کہ اللہ نے انھیں آلیا، ان کے دلوں میں رعب طاری ہو گیا اور اپنے گھربار اُجاڑ کر مدینہ کی بستی کو اپنے ناپاک وجود سے پاک کر دیا۔ سورۃ الحشر کے اشارے اور احادیثِ مبارکہ کی تفصیلات کی روشنی میں ہمارا ایمان ہے کہ عن قریب یہود شکست کھا کر تتر بتر ہونے والے ہیں۔ حق و باطل کے اس معرکے میں یہ تو نتیجے کا بیان تھا جو ابھی ظہور پذیر ہونا ہے لیکن اس معرکے میں جو مرحلہ اس وقت مسلمانوں کو درپیش ہے اور یہود کی جس بری خصلت کا ظہور ہو رہا ہے اس کی طرف بھی اشارہ سورۃ الحشر میں پایا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا

يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ﴾(سورۃ الحشر:۱۴)"وہ تم سے نہیں لڑیں گے اکھٹے ہو کر مگر قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کے پیچھے سے"۔ دوبدو لڑائی میں تو ان کا یہی شیوہ رہا۔ اب جب کہ لڑائیاں دوبدو کے بجائے "دور دور" سے ہونے لگیں تو ان کی قلعہ بندی کی صورت بھی بدل گئی اب وہ زیادہ تر جنگ "جہاز بند" ہو کر لڑتے ہیں۔ ذرا رُکیے! اس سے پہلے کہ بھائی لوگ ٹیکنالوجی میں پیچھے رہ جانے کی "حقیقت کا آئینہ دکھا" کر ہمارا منھ چڑانے کی کوشش کریں ہم جلدی سے کہتے ہیں کہ ہمیں ان کے جہاز بند ہونے پر بھی کوئی شکوہ نہیں ہے۔لیکن قابلِ مذمت بات دوسری ہے، یہ وہ بات ہے جس کی طرف ہمیں بعض تفسیروں میں آدھا ادھورا اشارہ ملتا ہے۔ جہاں ﴿لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا﴾ "وہ تم سے نہیں لڑیں گے اکھٹے ہو کر"۔ کی تفسیر میں کہا گیا: لَا يَقْدِرُونَ عَلَى مُوَاجَهَةِ جَيْشِ الْإِسْلَامِ. "وہ لشکرِ اسلام کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں کرتے"۔ تو جس طرح ہر بزدل ہمیشہ بزدل نہیں ہوتا بلکہ کمزور فریق کو دیکھتے ہی بہادر بن جاتا ہے تو یہودی بھی "اتنے بزدل" نہیں ہیں، نہتے عوام کے سامنے ان کی بہادری خوب چلتی ہے۔ غزوۂ خندق میں بھی یہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے بجائے مسلمانوں کے ان گھروں پر حملہ آور ہونے میں کوشاں رہے جہاں عورتوں اور بچوں کو محفوظ رکھا گیا تھا۔ آج بھی ان کی اسی خباثت کا ظہور ہو رہا ہے۔ خان یونس اور جبالیہ میں مار کھانے کے بعد انھوں نے اب میدانِ جنگ رفح کے مہاجر کیمپوں کو بنا لیا ہے۔ در حقیقت رفح پر ان کے حملے "کھسیانی بلی کھمبا نوچے" کی مثال ہیں۔ اللہ کے فضل سے مجاہدین نے ان کی خوب خبر لی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امتِ مسلمہ کے حکمرانوں کی بے حسی انتہائی تکلیف دہ ہے جس سے بحیثیتِ مجموعی امتِ مسلمہ میں مایوسی و نا امیدی کی فضا بنی ہوئی ہے۔ مگر اس ساری صورت حال میں اللہ کے فضل و کرم سے چند حوصلہ افزا باتیں سامنے آ رہی ہیں، جن کی تفصیلات "مفاہیم" کے قارئین کی خدمت میں پیش ہیں:

ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ جب سے نیتن یاہو نے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ رفح پر حملہ کرنے کا اعلان کیا ہے تب سے اسرائیلی قابض فوج القسام بریگیڈ سے توقعات کے برعکس مسلسل مار کھا رہی ہے۔ بظاہر یہ لگ رہا تھا کہ شاید یہ اس جنگ کا آخری مرحلہ ہو گا اس لیے نیتن یاہو جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے مگر القسام کی جوابی کارروائی نے پوری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ قابض فوج کو جب میدان میں سخت جواب ملا تو اس نے حسبِ عادت معصوم اور بے گھر

فلسطینی بچوں اور عورتوں کے کیمپوں پر اندھا دھند بمباری کر کے شہید کرنا شروع کر دیا اور مزید اپنی رسوائی اور روسیاہی میں اضافہ کیا۔ اب اس کے سرپرست ممالک برطانیہ، جرمنی، فرانس اور بالخصوص امریکہ کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ دنیا کے سامنے اسرائیل کے احمقانہ اقدامات کی کیا توجیہ پیش کرے۔

دوسری بات جو اہلِ فلسطین کے لیے نہایت حوصلہ افزا ہے وہ یہ کہ اب مغرب میں بھی ان کی آواز موثر انداز میں سنی جانے لگی ہے۔ عوامی سطح سے اٹھ کر تعلیمی اداروں میں خاص طور پر اسرائیل کے سرپرست امریکہ کی متعدّد معروف جامعات میں اہلِ فلسطین کے حق میں تاریخ ساز احتجاج شروع ہوا ہے، جس نے امریکی اشرافیہ کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اسی طرح برازیل نے تل ابیب سے اپنا سفیر واپس بلا لیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسپین، ناروے، اور آئرلینڈ نے مظلوم فلسطینیوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے اٹھائیس مئی سے فلسطینی ریاست کو باقاعدہ تسلیم کیا ہے۔ پرتگال، بلجیم اور سلووینیا نے بھی اس اقدام کو نہ صرف سراہا ہے بلکہ خود بھی اس اقدام پر غور کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سال جن ممالک نے فلسطین کو تسلیم کیا ہے ان میں بہاماس، ٹرینیڈاڈ اینڈ ٹوباگو، جمیکا اور بارباڈوس بھی شامل ہیں۔ ان ممالک سے پہلے متعدّد یورپی اور امریکی ممالک سویڈن، میکسیکو، کولمبیا، ویٹی کن، ارجنٹائن، بولیویا، چلی، مالٹا اور آئس لینڈ فلسطینی ریاست کو تسلیم کر چکے ہیں۔ ایشیائی اور افریقی ممالک کے بعد مغربی ممالک کے یہ اقدامات درحقیقت انسانی ضمیر کی آواز ہے اور یہی اسرائیل اور اس کے سرپرستوں کے لیے شکست کا پیغام ہے۔

ایک انتہائی اہم بات یہ ہے کہ جنوبی افریقہ کی مدعیت میں عالمی عدالتِ انصاف نے نیتن یاہو اور دیگر اسرائیلی رہنماؤں کو جنگی مجرم قرار دیا اور رفح پر حملہ کرنے سے باز رہنے کے ساتھ غزہ پر اسرائیلی جارحیت کو ناجائز قرار دیا۔ یہ فیصلہ جہاں اہلِ فلسطین کی امنگوں کے عین مطابق ہے وہاں اس نے جنگی مجرم نیتن یاہو اور اس کے سرپرست امریکہ کی مایوسی میں اضافہ کیا ہے۔ نوبت یہاں تک آئی ہے کہ یورپی یونین اب اسرائیل پر پابندیوں کا عندیہ دے رہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ اقدامات مظلوم فلسطینیوں کو حوصلہ دے رہے ہیں کہ ظلم کی یہ سیاہ رات جلد روشن دن میں بدلنے والی ہے، لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے!

*****

مفتی اویس پاشا قرنی
مدیر فقہ اکیڈمی کراچی

قربانی کے فضائل و مسائل

شرائطِ قربانی

ہر عاقل بالغ مقیم مسلمان پر قربانی کرنا واجب ہے جبکہ اس کی ملکیت میں حاجتِ اصلیہ سے زائد ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کا مال موجود ہو۔ اب خواہ وہ مال سونا چاندی یا اس کے زیورات یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ کی صورت میں ہو۔ ضرورت سے زائد گھریلو سامان سے وہ برتن وغیرہ مراد ہیں جو عموماً استعمال میں نہیں آتے۔ اگر ایک شخص کا مال غیر ملکی کرنسی کی صورت میں موجود ہے تو اس کا بھی اعتبار ہوگا۔ وجوب کے لیے اعتبار ۱۰ سے ۱۲ تاریخ تک کا ہوگا۔ اگر ان ایام میں کسی بھی وقت وہ صاحبِ وسعت تھا تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی۔ نیز اگر کسی کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ مزید پلاٹ ہیں یا ضرورت کی سواری سے زائد سواری ہے تو اس پر بھی قربانی کرنا واجب ہے۔ مالِ تجارت چاہے جس بھی صورت میں ہو اگر اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے تو اس کا مالک صاحبِ وسعت قرار پائے گا۔ عوام میں یہ بات عام ہو گئی ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اس پر قربانی بھی واجب نہیں ہے۔ یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے اس مال پر سال کا گزرنا شرط ہے جبکہ قربانی کے وجوب کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ نیز زکوٰۃ صرف سونا، چاندی، نقدی و مالِ تجارت پر فرض ہوتی ہے جبکہ قربانی کے نصاب میں اور بھی کئی چیزیں شمار ہوتی ہیں، جیسے کہ ماقبل مذکورہ شرائط سے واضح ہے۔ اسی لیے فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ صاحبِ نصاب پر فرض ہے جبکہ قربانی و صدقۃ الفطر صاحبِ وسعت پر واجب ہے۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

اگر کسی شخص پر اصلاً تو قربانی واجب نہ تھی لیکن اس نے قربانی کے ارادے سے کوئی جانور خرید لیا تو اب اس پر قربانی لازم ہو گئی۔ ہاں اگر اس کا یہ جانور گم ہو گیا یا ضائع ہو گیا تو اس پر اب دوسرا جانور خرید کر اسے قربان کرنا واجب نہ ہو گا۔ نیز اگر کوئی شخص خیر میں مزید آگے بڑھنا چاہے تو گھر کے بزرگوں، مرحومین، سلفِ صالحین اور نبی ﷺ کی طرف سے بھی قربانی کر دے۔ یہ عمل اس قربانی کرنے والے اور جس کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے دونوں ہی کے لیے اجر کا باعث بن جائے گا۔

قربانی کے جانور

یہ بات درست نہیں ہے کہ جو جانور حلال ہو اس کی قربانی بھی جائز ہو جاتی ہے۔ بلکہ نبی ﷺ نے بالاہتمام ان جانوروں کو متعیّن فرما دیا ہے جن کو ذبح کرنے سے واجب قربانی ادا ہوتی ہے۔ کُل چھے جوڑے ہیں جنھیں فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ذکر فرمایا ہے۔ گائے بیل، بھینس بھینسا، اونٹ اونٹنی، بکرا بکری، دنبہ دنبی، بھیڑ اور بھیڑا۔ ان میں سے پہلے چھے میں سات سات جبکہ بقیہ میں ایک ایک حصہ ہوتا ہے۔ اگر بڑے جانور میں سات سے زائد حصے شمار کر لیے جائیں تو کسی ایک حصے میں بھی قربانی درست نہ ہو گی۔ ایک اور شرط فقہا یہ بھی لگاتے ہیں کہ اگر بڑے جانور میں الگ الگ لوگ حصہ ڈال رہے ہوں تو سب ہی کی نیت تقرب کی ہونی چاہیے۔ واجب قربانی، ایصالِ ثواب اور عقیقہ وغیرہ تقرب کے کاموں میں شامل ہے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کسی بھی شخص نے تجارت یا گوشت ذخیرہ کرنے کی نیت سے حصہ ڈالا تو تمام ہی افراد کی قربانی فاسد ہو جائے گی۔ اصل میں فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم یہ اصول بیان فرماتے ہیں کہ قربانی کا جانور مالِ مشاع ہے۔ یعنی یہ قابلِ تقسیم نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی جانور میں چار حصے تو تقرب کے واسطے ہوں اور بقیہ تجارت کی خاطر۔ اگر ایسا کیا تو وہ چار حصے بھی غیر معتبر قرار پائیں گے۔ اسی بات سے ایک اور مسئلہ نکلتا ہے: اور وہ یہ کہ اگر اجتماعی قربانی میں تساہل برتا جائے اور کوئی ایک فرد بھی اپنی حرام آمدن میں سے کسی جانور میں حصہ ڈال دے تو بقیہ شرکا کی بھی قربانی فاسد قرار پائے گی۔ آسان حل یہ ہے کہ حصہ لیتے وقت یہ اعلان کر دیا جائے کہ تمام شرکا اپنی حلال آمدن میں سے حصہ ڈالیں۔ اس کے بعد لوگوں کے ظاہری قول ہی پر اعتماد کر لیا جائے۔ زیادہ تفتیش میں پڑنا درست نہیں ہے۔ جو

حضرات کسی ادارے کے تحت حصہ ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہوں، ان پر شرعًا واجب ہے کہ کسی ایسے ادارے کا انتخاب کریں جہاں مسائلِ شرعیہ کی پابندی کی جاتی ہو اور مستند علمائے کرام اور مفتیانِ عظام کی نگرانی میں تمام کام انجام دیا جاتا ہو۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ایک عظیم عبادت کے ضائع ہو جانے کا خدشہ ہے۔

اصول تو یہ ہے کہ جس پر قربانی واجب ہے وہ اپنے ہی مال میں سے اسے ادا کرے گا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اسے بتا کر اس کی طرف سے قربانی کردے تو اس سے قربانی کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ خواہ اس نے وہ قربانی اپنے مال سے کی ہو یا اس شخص کے مال سے۔ مثلاً اگر کسی خاتون کی ملکیت میں اتنا زیور ہے کہ اس پر قربانی واجب ہو جائے لیکن اس کا شوہر اس کو اطلاع دے کر اس کی طرف سے قربانی کر دیتا ہے تو اب اس پر سے قربانی کا وجوب ساقط ہو جائے گا۔ اسی کو فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم وکالت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس صورت میں بس مؤکل (جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے) کو اطلاع دے دینا لازمی ہے۔ کیونکہ اگر اطلاع نہ دی اور مؤکل نے اپنی واجب قربانی الگ سے ادا کردی تو جس جانور میں وکیل نے موکل کے حصے کی نیت کی تھی اس کے تمام حصوں کی قربانی غیر معتبر قرار پائے گی اور تمام شرکا کی ایک عظیم عبادت ضائع ہو جائے گی۔

شرکا کے مابین تقسیم

اگر بڑے جانور میں مختلف شرکا موجود ہیں تو قربانی کے بعد گوشت کو برابر تقسیم کرنا لازمی ہوگا۔ باقاعدہ تول کر تمام شرکا کو ان کا حصہ دیا جائے گا۔ کمی زیادتی سے گناہ ہوگا۔ البتہ اگر شرکا ایک ہی گھر سے ہیں اور سب ساتھ مل کر کھاتے ہیں تو اس صورت میں گوشت تقسیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح اگر تمام شرکا الگ الگ بھی رہتے ہیں لیکن سب اس بات پر راضی ہو جائیں کہ گوشت تقسیم کرنے کی بجائے ایک جگہ پکا کر کھا لیا جائے یا پورا صدقہ ہی کر دیا جائے تب بھی تقسیم کرنا لازمی نہیں ہے۔ البتہ اگر ایک فرد بھی اس پر راضی نہ ہو تو اب تقسیم کرنا لازم ہو جائے گا۔ جانور کے بقیہ حصے جنھیں تولنا ممکن نہ ہو انھیں اس طرح تقسیم کیا جائے کہ کوئی بھی معقول شخص اس تقسیم کو عدل پر مبنی شمار کرے۔ اگر کھال اور کلہ پائے گوشت کے ساتھ تقسیم کر دیے جائیں تو اب گوشت کو تولنا لازم نہ ہوگا۔ ایک شریک کو اگر کھال کے ساتھ کچھ گوشت دے دیا جائے اور بقیہ گوشت دوسرا

شریک رکھ لے تو یہ بھی درست شمار ہوگا۔

جانور کی شرائط

نبی ﷺ نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قربانی کے جانور خریدنے کے لیے یمن کی طرف روانہ کیا تو فرما دیا تھا کہ جانور کے کان، آنکھ اور دانت اچھی طرح دیکھ لیے جائیں۔ معلوم ہوا کہ ہر قسم کا معیوب جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ ان شرائط کو فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جنھیں مدِ نظر رکھتے ہوئے قربانی کا جانور خریدنا چاہیے۔ پہلی شرط جانور کی عمر سے متعلق ہے:

۱) بکرا، دنبہ اور بھیڑ اکم از کم ایک سال کا ہو۔ ۲) گائے اور بھینس کم از کم دو سال کے ہوں۔

۳) اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہو۔

اگر کسی جانور کی عمر پورے ہونے کا یقین ہو تو اب اس کے دانت دیکھنے کی حاجت نہیں ہے، لیکن چونکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا اسی لیے دانت دیکھ لینے کا بھی حکم دیا جاتا ہے۔ نیز دنبے اور بھیڑ میں علما نے ایک استثنا بیان کیا ہے کہ اگر وہ سال بھر کے نہ بھی ہوں لیکن ان کی عمر چھے ماہ سے زیادہ ہو اور وہ اتنے موٹے تازے ہوں کہ اگر سال بھر کے بھیڑ اور دنبوں میں چھوڑ دیے جائیں تو کم عمر نہ نظر آتے ہوں تو اس صورت میں ان کی قربانی بھی جائز قرار پائے گی۔

پھر نبی ﷺ نے کچھ ایسے عیوب بھی بیان فرمائے کہ جن کی موجودگی میں ایک جانور کی قربانی کرنا جائز نہیں ہوتی۔ یعنی عام حالات میں تو انھیں ذبح کر کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن قربانی کے لیے ان کو پیش کرنا جائز نہیں ہے۔ سنن ابی داؤد میں ارشادِ نبوی ہے: «أَرْبَعٌ لَا تَجُوزُ فِي الْأَضَاحِيِّ: فَقَالَ الْعَوْرَاءُ بَيِّنٌ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ بَيِّنٌ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ بَيِّنٌ ظَلْعُهَا، وَالْكَسِيرُ الَّتِي لَا تَنْقَى» ’’چار ایسے جانور ہیں جنھیں قربانی کی خاطر ذبح کرنا جائز نہیں ہے، ایسا کانا جس کا کانا پن ظاہر ہو، ایسا بیمار جس کا مرض ظاہر ہو، ایسا لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو اور ایسا کمزور کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو‘‘۔ حضراتِ

فقہاے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے ان عیوب کی مزید وضاحت فرمائی ہے۔ ایسا جانور جو اندھا ہو یا بالکل کانا ہو یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی یا اس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو یا اس کے ایک کان کا تہائی یا اس سے زیادہ حصہ کٹ چکا ہو یا دم کا ایک تہائی یا اس سے زیادہ حصہ کٹ چکا ہو یا وہ اتنا کمزور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں بالکل گودا ہی نہ رہا ہو تو اس کی قربانی کرنا ناجائز ہے۔ اگر جانور دبلا ہو مگر اتنا زیادہ دبلا نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہوگی۔

اگر کسی جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں تو اس کو بھی قربانی کے لیے ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر اس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں تو اس کی قربانی جائز ہے۔ اسی طرح اگر سینگ تھے لیکن ٹوٹ گئے تب بھی کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر سینگ جڑ سے ٹوٹا ہوا ہو یا اس طرح اکھڑا ہو کہ دماغ تک چوٹ کا اثر پہنچ جائے تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہ ہو گی۔ اسی طرح اگر کسی جانور کے اکثر یا سارے دانت ٹوٹ گئے ہوں تو اس کی بھی قربانی جائز نہیں ہے۔ خصی جانور ذبح کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ افضل بھی ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے خود بھی ایسے مینڈھے ذبح فرمائے تھے: «ذَبَحَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مُوجَأَيْنِ» ”نبی ﷺ نے بقرعید کو دو سینگ والے، چتکبرے، خصی مینڈھے ذبح کیے“۔

قربانی کا وقت

تمام ہی مذاہبِ اسلامیہ میں قربانی کا وقت ۱۰ ذوالحجہ کو نمازِ عید کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے اختتامی وقت میں دو اقوال پائے جاتے ہیں۔ احناف، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ۱۲ ذوالحجہ کی مغرب سے پہلے پہلے تک قربانی کرنا جائز ہے۔ جبکہ شوافع کے نزدیک ۱۳ ذوالحجہ کا دن بھی ایامِ قربانی میں شامل ہے۔ فضیلت کے اعتبار سے ۱۰ ذوالحجہ کی قربانی اولیٰ ہے۔

جس بستی میں عید کی نماز نہ ہوتی ہو جیسے دیہات تو وہاں فجر کے بعد ہی سے قربانی کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں اس کا اہتمام ہوتا ہو جیسے شہر وہاں نماز کے بعد ہی قربانی جائز ہوگی۔ فقہا نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ بات لازمی نہیں ہے کہ قربانی کرنے والے شخص نے نماز ادا کرلی ہو بلکہ اگر پوری بستی میں ایک جگہ

بھی نماز ادا ہو گئی تو اب قربانی کی جا سکتی ہے۔ البتہ اگر کسی نے اس سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو اس کی قربانی ادا نہ ہو گی اور اگر وہ صاحبِ استطاعت ہے تو اس پر ایک دوسری قربانی واجب ہو گی۔

منت و وصیت کی قربانی

اگر کسی شخص نے قربانی کی منت مانی اور اس کا کام بھی پورا ہو گیا تو اب اس پر یہ قربانی کرنا واجب ہو گا۔ وجوب کی ایک قسم من اللہ ہوتی ہے جیسا کہ بقر عید کی قربانی کا معاملہ ہے۔ جبکہ وجوب ہی کی ایک دوسری قسم بھی ہے جو بندے کی اپنی طرف سے ہوتی ہے۔ البتہ منت کی قربانی میں ایک فرق ضرور واقع ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ اس کا گوشت صرف فقرا و مساکین میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اغنیا پر اس کا کھانا ممنوع ہے۔ بعینہٖ یہ حکم وصیت کی قربانی کا بھی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے ایک تہائی مال کے اندر اندر یہ وصیت کر دی کہ ہر سال اس میں سے ایک قربانی کر دی جائے تو اب ورثا پر اس وصیت کو پورا کرنا لازم ہو گا۔ اس قربانی کا بھی پورا گوشت فقرا میں تقسیم ہو گا۔ مزید برآں نفلی قربانی کے برعکس ان قربانیوں میں صرف ایک ہی نیت معتبر ہوتی ہے۔ یعنی منت و وصیت کی قربانی میں کسی اور نفلی قربانی کی نیت نہیں کی جا سکتی۔

قربانی کی قضا

اگر کسی شخص پر قربانی تو واجب تھی مگر وہ کسی بھی وجہ سے اسے ادا نہ کر سکا تو اب اس پر ایک حصے کی کم از کم قیمت صدقہ کرنا واجب ہو گا۔

آدابِ قربانی

کسی بھی عمل کو بدرجۂ احسن ادا کرنے کے لیے اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔ ہمارے اسلاف کا بھی یہی طرز تھا کہ وہ اپنے ہر عمل کو اس کے آداب بجا لا کر مزین کیا کرتے تھے۔ قربانی بھی ایک عظیم عبادت ہے اور جو شخص بھی اسے سر انجام دے رہا ہو اسے چاہیے کہ اس کے تمام آداب کو ملحوظِ خاطر رکھے تا کہ اللہ کے یہاں مکمل اجر پا سکے۔ سب

سے پہلے دل میں قربانی کی نیت کرلینی چاہیے۔ زبان سے کچھ کہنا لازمی تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص یکسوئی کی خاطر کچھ کلمات بھی ادا کرلے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ذبیحے پر بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُ أَكْبَر زبان سے پڑھنا لازمی ہے، اس کے بغیر جانور حلال نہ ہوگا۔ جانور کو ذبح کرنے کے وقت قبلہ رو لٹانا بھی قربانی کے آداب میں شامل ہے۔ جانور کو لٹانے کے بعد ابنِ ماجہ میں وارد یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ* قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ* لَا شَرِيكَ لَه وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ* اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ "میں اس ذات کے لیے یکسو ہوتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بلا شبہہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو کہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اے اللہ (یہ توفیقِ قربانی) تیری طرف سے ہے اور (یہ قربانی) تیرے ہی لیے ہے اور (یہ قربانی) محمد ﷺ اور آپ کی امت کی طرف سے ہے"۔ پھر بسم الله الله اکبر "کہہ کر ذبح کریں، اور ذبح کرنے کے بعد اگر یہ دعا یاد ہو تو پڑھ لیں: اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَ خَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ. "اے اللہ! تو مجھ سے بھی یہ قربانی اسی طرح قبول کرلے جس طرح تو نے اسے اپنے حبیب محمد ﷺ اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام سے قبول فرمالیا تھا"۔ اگر ذبح کرنے والا کسی اور کا جانور ذبح کرے تو مِنِّي کی بجائے مِنْ کے بعد جس کی قربانی ہے اُس کا نام لے، اگر گائے ہے تو مناسب یہ ہے کہ تمام حصے داروں کے نام لے۔ جانور کو کچھ دن پالنا بھی افضل ہے۔ مزید برآں چونکہ نبی ﷺ نے ذبح کرنے میں بھی احسان کا حکم دیا ہے، اسی لیے چاہیے کہ ذبح کرنے سے قبل چھری خوب تیز کرلی جائے اور ایک جانور کو دوسرے کے سامنے نہ ذبح کیا جائے۔ اسی طرح ذبح کرنے کے بعد جانور کو ٹھنڈا ہونے دیا جائے اور جب پوری جان نکل جائے تب کھال اتاری جائے۔ اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا اولیٰ ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم اس وقت وہاں حاضر رہنا چاہیے۔

گوشت کی تقسیم

ویسے تو یہ بات جائز ہے کہ ایک شخص پورا کا پورا گوشت ذخیرہ کرلے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ گوشت کے

تین حصے بنا لیے جائیں، ایک اپنے استعمال کے لیے، ایک رشتے داروں کے لیے اور ایک فقرا و مساکین کے لیے۔ البتہ اس کے برخلاف بھی تقسیم جائز ہے۔

کھال کے احکام

جاننا چاہیے کہ جانور کے تمام اعضا و اجزا کے مصارف طے ہیں۔ یہاں تک کے وہ شے جس کو نمائش و آرائش کی خاطر جانور پر باندھا گیا ہو اسے بھی فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہا نے تو یہاں تک صراحت فرمائی کہ جانور کی رسی بھی فروخت کرنا یا اجرت پر دینا جائز نہیں ہے۔ بعینہٖ یہ حکم کھال کا بھی ہے۔ اسے خود استعمال میں لانا یا صدقے میں دے دینا یا کسی کو تحفتاً دے دینا تو جائز ہے لیکن اسے فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح قصائی کو اجرت پر کھال دے دینا بھی ناجائز ہے۔ اگر ایسی غلطی کر دی تو کھال کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہوگی۔ ایک بات یہ بھی واضح رہنی چاہیے کہ کھال کو مسجد مدرسے وغیرہ کی تعمیر میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کھال کی قیمت کو بھی زکوۃ کی مانند فقرا کی ملکیت میں دینا شرط ہے۔ ہاں کسی مدرسے کے طلبہ اگر مستحقِ زکوۃ ہوں تو ان کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں کھال کی قیمت کو استعمال کرنا درست ہے۔ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کھال ایسی جگہ دی جائے جہاں مستند علمائے کرام کی نگرانی میں کام ہوتا ہو تا کہ اس عظیم عبادت میں کوئی نقص نہ آنے پائے۔

* * * * *

مولانا محمد اقبال صاحب
معاونِ شعبۂ تحقیق و تصنیف و ترجمہ

قصيدة الحجرة النبوية الشريفة

ترکی کے مشہور عثمانی خلیفہ سلطان عبد الحمید خان اوّل (۱۷۲۵۔۱۷۸۹ء) انتہائی نیک اور عبادت گزار انسان تھے۔ آپ کا لقب کثرتِ عبادت اور خشیت و للّٰہیت کے سبب 'ولی' پڑ گیا تھا۔ آپ نے اپنے عہدِ حکومت میں اہلِ حجاز کی بہت خدمت کی اور حجاز کی تعمیر و ترقی میں خاص دلچسپی لی۔ نبیِ اکرم ﷺ کے مبارک حجروں اور مسجدِ نبوی کی پر نور دیواروں پر جو اشعار لکھے ہوئے ہیں وہ سلطان عبد الحمید خان اوّل سے منسوب ہیں، جو ان کے ایک نعتیہ قصیدے القصيدة الحجرية سے لیے گئے ہیں۔ یہ قصیدہ سولہ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ قصیدہ سلطان نے ۱۱۹۱ھ میں کہا تھا۔ سلطان عبد الحمید اول کا لکھا ہوا یہ قصیدہ عشق و محبت کا ایک مرقع ہے، جسے اُردو ترجمے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے:

يَا سَيِّدِي يَا رَسُولَ اللهِ خُذْ بِيَدِي
مَالِي سِوَاكَ وَلَا أَلْوِي عَلَى أَحَدِ

"اے میرے آقا! اے اللہ کے رسول! میری دست گیری فرمائیے، آپ کے سوا میرا کوئی نہیں ہے اور نہ ہی آپ کے سوا میں کسی اور کی طرف مائل ہوتا ہوں"۔

فَأَنْتَ نُورُ الْهُدَى فِي كُلِّ كَائِنَةٍ
وَأَنْتَ سِرُّ النَّدَى يَا خَيْرَ مُعْتَمَدِ

"اے بہترین جائے پناہ! آپ ہی ساری کائنات میں نورِ ہدایت ہیں، اور آپ ہی رازِ سخاوت ہیں"۔

وَأَنْتَ حَقًّا غِيَاثَ الْخَلْقِ أَجْمَعِهِمْ

وَأَنْتَ هَادِي الْوَرَى للهِ ذِي السَّدَدِ

’’آپ واقعی تمام مخلوقات کے لیے مددگار ہیں، اور آپ ہی خدائے کارساز کی طرف مخلوق کی رہنمائی کرنے والے ہیں‘‘۔

يَا مَنْ يَقُومُ مَقَامَ الْحَمْدِ مُنْفَرِدًا

لِلوَاحِدِ الْفَرْدِ لَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَلِدِ

’’اے وہ ذات! جو منفرد شان کے ساتھ مقامِ حمد پر فائز ہوگی، اس ذاتِ واحد و یکتا کے سامنے جو لَمْ يَلِدِ و لَمْ يُولَدْ کی صفت سے متّصف ہے‘‘۔

يَا مَنْ تَفَجَّرَتِ الْأَنْهَارُ نَابِعَةً

مِنَ إِصْبَعَيْهِ فَرَوَّى الْجَيْشَ بِالْمَدَدِ

’’اے وہ ذات! جس کی دو انگلیوں سے نہریں پھوٹ پڑیں، اور جس نے لشکر کو سیلِ رواں سے سیراب کردیا‘‘۔

إِنِّي إِذَا سَامَنِي ضَيْمٌ يُرَوِّعُنِي

أَقُولُ: يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ يَا سَنَدِي

’’میری کیفیت یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ظلم میرے اوپر منڈلانے لگتا ہے اور مجھے خوفزدہ کردیتا ہے تو میں پکار اٹھتا ہوں: اے سادات کے سردار! اے میری جائے پناہ!‘‘۔

كُنْ لِي شَفِيعًا مِنَ الرَّحْمَنِ مِنْ زَلَلِ

وَامْنُنْ عَلَيَّ بِمَا لَا كَانَ فِي خَلَدِي

’’خدائے مہربان کے حضور میری خطاؤں پر آپ میرے شفیع بن جائیے، اور میری ذات پر وہ احسان فرمائیے جو میرے وہم وگمان میں بھی نہ ہو‘‘۔

وَانْظُرْ بِعَينِ الرِّضَا لِي دَائِمًا أَبَدًا

وَاسْتُرْ بِفَضْلِكَ تَقْصِيرِي إِلَى الْأَمَدِ

"اور میری طرف ہمیشہ خوش نودی کی نگاہ سے دیکھیے، اور اپنے فضل و کرم کی بدولت ہمیشہ کے لیے میری کوتاہیوں کی پردہ پوشی کیجیے"۔

وَاعْطُفْ عَلَيَّ بِعَفْوٍ مِنْكَ يَشْمَلُنِي

فَإِنَّنِي عَنْكَ يَا مَوْلَايَ لَمْ أَحِدِ

"اور درگزر سے کام لیتے ہوئے مجھ پر ایسی شفقت فرمائیے جو مجھے ڈھانپ لے، کیونکہ اے میرے آقا میں کبھی آپ سے جدا نہیں ہوا"۔

إِنِّي تَوَسَلْتُ بِالْمُخْتَارِ أَفْضَلِ مَنْ

رَقَى السَّمَوَاتِ سِرَّ الْوَاحِدِ الْأَحَدِ

"میں نے ایسے نبیِ مختار کو وسیلہ بنایا ہے جو آسمانوں پر جانے والوں میں سب سے افضل اور خدائے واحد و یکتا کا راز ہیں"۔

رَبُّ الْجَمَالِ تَعَالَى اللهُ خَالِقُهُ

فَمِثْلُهُ فِي جَمِيعِ الْخَلْقِ لَمْ أَجِدِ

"حسن و جمال کے مالک اللہ رب العزت اُن صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے خالق ہیں، میں نے پوری مخلوق میں اُن جیسا کوئی نہیں پایا"۔

خَيْرُ الْخَلَائِقِ أَعْلَى الْمُرْسَلِينَ ذُرَىً

ذُخْرَ الْأَنَامِ وَهَادِيهِمْ إِلَى الرَّشَدِ

"آپ ساری مخلوقات سے بہتر اور تمام رسولوں سے مرتبے میں اعلیٰ ہیں، مخلوق کے لیے ذخیرہ ہیں اور انھیں راہِ ہدایت دکھانے والے ہیں"۔

بِهِ الْتَجَأْتُ لَعَلَّ اللهَ يَغْفِرُ لِي

هَذَا الَّذِي هُوَ فِي ظَنِّي وَمُعْتَقَدِي

”انھی کے وسیلے سے میں نے فریاد کی ہے، امید ہے اللہ مجھے معاف کر دے، یہی میرا عقیدہ ہے اور یہی میرا یقین ہے“۔

فَمَدْحُهُ لَمْ يَزَلْ دَأْبِي مَدَى عُمُرِي

وَحُبُّهُ عِنْدَ رَبِّ الْعَرْشِ مُسْتَنَدِي

”عمر بھر اُن کی مدحت کرنا میرا مشغلہ ہے، اور مالکِ عرش کے حضور انھی کی محبت میرا کُل اثاثہ ہے“۔

عَلَيْهِ أَزْكَى صَلَاةٍ لَمْ تَزَلْ أَبَدًا

مَعَ السَّلَامِ بِلَا حَصْرٍ وَلَا عَدَدِ

”آپ ﷺ پر سب سے پاکیزہ درود اور سلام ہو جو تا ابد جاری رہے بغیر کسی حد اور تعداد کے“۔

وَالْآلِ وَالصُّحْبِ أَهْلِ الْمَجْدِ قَاطِبَةً

بَحْرِ السَّمَاحِ وَأَهْلِ الْجُودِ وَالْمَدَدِ

”اور آپ ﷺ کے آل و اصحاب پر بھی پاکیزہ درود اور سلام ہو جو سب کے سب عظمت و شرافت والے ہیں، سخاوت و عفو اور ایثار و مدد کا منبع ہیں“۔

اس قصیدے کا آخری مصرع دو طرح سے نقل ہوتا ہے، حجرۂ شریفہ ﷺ پر جہاں یہ شعر درج ہے وہاں دوسرا مصرع مٹا ہوا ہے لیکن جس قدر برقرار ہے اس سے درج بالا مصرعے کی تائید ہوتی ہے۔ البتہ بعض کتابوں میں مقطعے کا دوسرا مصرع یوں درج ہے: وَتَابِعِيهِمْ بِإِحْسَانٍ إِلَى الْأَبَدِ ”اور رہتی دنیا تک نیکی میں ان کی پیروی کرنے والوں پر بھی“۔

* * * * *

ڈاکٹر محمد رشید ارشد
مدیر غزالی فورم

ہمارے عقائد پر جدید تعلیم کے اثرات

قسط نمبر ا

اس موضوع کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں: پہلا حصہ ”ہمارا تعارف کیا ہے اور ہمارا تصورِ علم کیا ہے؟“، دوسرا حصہ ”جدید تصورِ علم اور ہمارے عقائد پر اس کے اثرات“۔ اس ضمن میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمارا بنیادی تعارف ”عبداللہ“ کا ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں، یعنی یہ ہمارا جوہر اور ہماری اصل ہے۔ ایک عرصے سے ہمارے ہاں فیشن بن گیا ہے اور یہ بات بہت کہی جاتی ہے کہ سب سے پہلے ہم انسان ہیں، مسلمان، عیسائی، ہندو، سکھ اور پارسی ہونا بعد کا ایک تعین ہے، ہمارا اولین تعارف انسان ہونا ہے۔ اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت کو ہم اپنے ”جوہر“ کے طور پر دیکھتے ہیں، حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ ہمارا جوہر حقیقت میں انسان ہونا نہیں ہے بلکہ ”عبد“ یعنی بندہ ہونا ہے۔ فلسفے اور منطق میں وجود کے متعلق دو اصطلاحات ”واجب الوجود“ اور ”ممکن الوجود“ کی استعمال ہوتی ہیں۔ ایک ہے واجب الوجود، جس کا ہونا لازمی ہے اور نہ ہونا، ناممکن ہے۔ یہ وہ وجود ہے جو اپنی بنیاد پر خود سے قائم ہے، جس کو فلسفے میں necessary being کہا جاتا ہے۔ اور ایک ہے ممکن الوجود جس کو contingent being کہا جاتا ہے۔ یہ وہ ہوتا ہے کہ جس کے ہاں عدم اور وجود برابر ہو، یعنی جو ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا، جو نہیں تھا، پھر ہوا، پھر نہیں ہو گا یہ ممکن الوجود ہے۔ لہٰذا جس طرح اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور مخلوق ممکن الوجود ہے، اسی طرح اللہ اور ماسوا اللہ میں ایک ہی نسبت ہے کہ وہ خالق ہے اور باقی سب مخلوق ہیں۔ یہی نسبت یہاں اس طرح سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ معبود ہے باقی سب عبد ہیں۔

ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں اس بات کو دیکھنا ہے کہ یہ وجود یعنی ہستی کا جو تصور ہے اس کا میری بندگی کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ اگر میں بنیادی طور پر ایک مذہبی وجود ہوں تو اب مجھے ہر چیز کو اسی نظر سے دیکھنا ہے۔ مجھے یہ دیکھنا ہے کہ جو کچھ میں اختیار کر رہا ہوں چاہے وہ کوئی چیز ہو یا کوئی تصور، یہ میرے مذہبی وجود کو یا میری بندگی کے وجود کو کہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچا رہا، اس کو متاثر تو نہیں کر رہا۔ یہ گویا میرا سب سے بڑا مسئلہ ہونا چاہیے۔ اصولِ فقہ میں مقاصدِ شریعت بیان کیے جاتے ہیں تو اس میں بتایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حفظِ دین یا حفظِ ایمان ہے، پھر حفظِ نفس یا حفظِ جان، اس کے بعد حفظِ نسل، حفظِ مال اور حفظِ آبرو ہیں۔ یہ درجہ بندی اس اعتبار سے ہے کہ شریعت کے سارے احکام ان پانچ میں سے کسی نہ کسی درجے کے تحت آئیں گے۔ لہذا یہاں یہ دیکھنا اہم ہے کہ سب سے بڑا فرض ایمان بچانا ہے۔ یہاں تک تو ہمارا تعارف تھا کہ ہم "اللہ کے بندے" ہیں۔ اب ہم تصورِ علم کی طرف آتے ہیں۔

تعلیم کے اندر غیر معمولی تاثیر ہوتی ہے یعنی تعلیم کا پورا عمل انسان کی تشکیل کرتا ہے۔ انسان کا ظاہری وجود اس کے ماں باپ کا پروردہ ہوتا ہے، اور باطنی وجود کی پرورش معلم کرتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؔ:

شیخِ مکتب ہے اک عمارت گر
جس کی صنعت ہے روحِ انسانی

اور تعلیم کی تاثیر کیا ہے، اس پر علامہ اقبالؔ کا شعر دیکھیے:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے، اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

یہاں علامہ اقبال جس تعلیم پر گفتگو کر رہے ہیں اس کی تاثیر منفی ہے یعنی یہ تعلیم سونے کے پہاڑ کو مٹی بنا دیتی ہے اور اس کا برعکس بھی ٹھیک ہے کہ مٹی کا ایک ڈھیر ہو اس کو تعلیم دے دیں، شعور دے دیں تو وہ سونے کا ہمالہ بن

سکتا ہے۔ ایک اور جگہ وہ فرماتے ہیں:

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

یہاں کلیسا سے مراد چرچ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد جدید مغرب ہے۔

شعور اور وجود کی ایک پُرانی تقسیم ہے، یعنی انسان کی شخصیت میں ایک وجود ہے اور ایک شعور ہے، ایک علم ہے اور ایک اخلاق ہے۔ آپ کو یہ تقسیم دنیا کی ہر روایت میں ملے گی۔ قرآنِ مجید میں جگہ جگہ ایمان اور عملِ صالح کا ایک جوڑا نظر آتا ہے۔ ایمان کا تعلق فکر، شعور اور تصور سے ہے، اور عملِ صالح کا تعلق وجود، اخلاق اور عمل سے ہے۔ علامہ اقبال کے خطبات The Reconstruction of Religious Thought in Islam کے ابتدائیے کا پہلا جملہ ہی یہی ہے کہ: The Islam is a religion which emphasizes 'deed' rather than 'idea'۔

اسلام کا تصورِ علم

اسلام میں علم سے مراد ہے کہ انسان یہ جان لے کہ وہ مخلوق ہے، وہ فانی ہے، اور وہ یہ بھی جان لے کہ کائنات مخلوق ہے اور فانی ہے، اور مرنے کے بعد ایک عالم برپا ہوگا اور وہاں پر ایمان اور عملِ صالح کی بنیاد پر احتساب ہوگا اور پھر یا تو ابدی راحتیں ہیں یا ابدی سزا ہے۔ قرآن مجید جس کو ''العلم'' کہتا ہے اس سے مراد یہ علم ہے، وہ صرف و نحو، منطق اور فقہ کا علم بھی نہیں ہے، اور نہ ہی وہ قرآن اور حدیث کا ٹیکنیکل معنوں میں یعنی تفسیر اور علمِ حدیث کا علم ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے الجامع الصحیح میں ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے: العِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ، کہ کچھ کہنے اور کرنے سے پہلے ایک علم ہے، اور شروع میں وہ سورۂ محمد کی آیت لے کر آئے ہیں: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ﴾ ''جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے''۔ اسی طرح ہمارا تصورِ علم تو یہ ہے: ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ''کہو کہ: کیا وہ جو جانتے ہیں اور جو نہیں

جانتے سب برابر ہیں؟‘‘۔ یہاں جاننے والے اور نہ جاننے والے سے مراد فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، جیالوجی اور اسٹرانومی جاننے والے نہ جاننے والے نہیں ہیں۔ یہاں مبحث وہی ہے جو قرآنِ مجید دوسری جگہ کہتا ہے: ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ﴾ ’’لیکن یہ منافق لوگ نہیں سمجھتے‘‘۔ اور ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ’’لیکن یہ منافق لوگ نہیں جانتے‘‘۔ تو وہ کون سا تفقہ ہے جس کی بات قرآن کر رہا ہے۔ دنیاوی معاملات میں تو وہ لوگ بہت سمجھ دار تھے، چال بازیاں آتی تھیں۔ لہذا کیا چیز ان کے پلے نہیں پڑ رہی: ﴿يُخَادِعُونَ اللهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ ’’وہ اللہ کو اور ان لوگوں کو جو (واقعی) ایمان لا چکے ہیں دھوکا دیتے ہیں اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) وہ اپنے سوا کسی اور کو دھوکا نہیں دے رہے لیکن انھیں اس بات کا احساس نہیں ہے‘‘۔ ہمارا کل تصورِ علم یہ ہے۔ بطورِ مثال ایک واقعہ ملاحظہ ہو: کسی نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ تو یہ کہتے ہیں اور فلاں فقیہ یہ کہہ رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ فرمایا: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ، وَهَلْ رَأَيْت فَقِيهًا بِعَيْنِك؟ إِنَّمَا الْفَقِيهُ الزَّاهِدُ فِي الدُّنْيَا الرَّاغِبُ فِي الْآخِرَةِ، الْبَصِيرُ بِدِينِهِ الْمُدَاوِمُ عَلَى عِبَادَةِ رَبِّهِ، الْوَرِعُ الْكَافُّ عَنْ أَعْرَاضِ الْمُسْلِمِينَ، الْعَفِيفُ عَنْ أَمْوَالِهِمْ النَّاصِحُ لِجَمَاعَتِهِمْ.(رد المحتار علی الدر المختار، ج:۱، ص:۳۷) ’’تمھاری ماں تمھیں روئے، تم نے کبھی زندگی میں فقیہ دیکھا بھی ہے یا بس صرف فقاہت کا نام ہی سن لیا ہے؟ فقیہ تو وہ ہے جو دنیا میں زہد اختیار کرتا ہے، آخرت کی طرف رغبت کرتا ہے، اپنے دین کی بصیرت رکھتا ہے، اپنے رب کی بندگی پر مداومت کرتا ہے، صاحبِ ورع ہے یعنی شبہات سے بچتا ہے، مسلمانوں کی عزتوں کو بے آبرو کرنے سے اپنے آپ کو روکتا ہے، ان کے اموال کے بارے میں عفّت مآب ہے اور ان کی جماعت کے ساتھ خیر خواہی کرنے والا ہے‘‘۔

ماقبل کی گفتگو میں ’العلم‘ کی تعریف سامنے آئی، لیکن اس کے علاوہ اور بھی علوم ہیں اگر آپ اس کی درجہ بندی اور مراتب سمجھنا چاہیں تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب إحياء علوم الدين کے پہلے باب کتاب العلم کو تفصیل سے پڑھ لیں۔ اگر اختصار مطلوب ہو تو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی سوانح ’المنقذ من الضلال ایک چھوٹا

سارسالہ ہے جو انگریزی میں Deliverance from Error کے نام سے چھپا ہے، اردو میں بھی اس کے کئی تراجم موجود ہیں۔ اس میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم کی اقسام بتائی ہیں، اس کا مطالعہ کریں۔ انھوں نے اس میں فلسفے اور اس کی اقسام مثلاً، الدھریون، طبیون، الٰھیون وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب بڑے فاضل آدمی تھے، انھوں نے ایک اصطلاح متعارف کروائی 'علم بالوحی'، یہ متن یعنی قرآن وسنت کا علم ہے۔ ایک علم ہے 'انسانی استعداد کا زائیدہ علم' یعنی وہ علم جو انسانی استعداد سے پیدا ہوتا ہے۔ ایک Revealed Knowledge ہے اور ایک Acquired Knowledge ہے، Revealed کے مقابلے میں تسلیم سے بات شروع ہوگی، تسلیم، تفہیم، تعمیل۔ اور ایک اور لفظ ہمارے استاذ کہتے تھے تحویل، کہ سب سے پہلے آپ مان لیں، پھر سمجھیں، پھر اس پر عمل کریں اور پھر تحویل کو وہ حال کے معنیٰ میں بیان کرتے ہیں، حالانکہ یہ معروف استعمال نہیں ہے۔ تحویل کا مطلب تو مڑنے کا ہوتا ہے جیسے تحویلِ قبلہ وغیرہ، چنانچہ تحویل اس معنوں میں کہ جیسے اس کو اپنا حال بنالیں۔ کبھی اگر آپ نے دیکھنا ہو کہ ہمارے علوم کی نوعیت کیا ہے تو ایمان یعنی ہمیں کچھ ماننا ہے، اسلام کا مطلب ہمیں کچھ کرنا ہے اور احسان کے معنیٰ ہیں کہ ہمیں کچھ بننا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ: إِنَّ الصِّدْقَ يُنْجِي والْكَذِبَ يُهْلِكُ. ''سچائی نجات دیتی ہے اور جھوٹ ہلاکت میں ڈالتا ہے''۔ یہ گویا ایمان کی سطح پر ہے، پھر آپ کو سچ بولنا ہے اور جھوٹ سے بچنا ہے یہ ایک عمل ہے اور پھر آپ کو سچا بننا ہے۔ سچ بولنا اور سچا بننا ایک نہیں ہے، یہ وہی وصف ہے کہ جس کے بارے میں ترمذی شریف میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ ایک انسان سچ بولتا ہے اور بولتا رہتا ہے، سچ کا اہتمام کرتا ہے یہاں تک کہ: يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقاً. ''اللہ کے ہاں سچا لکھ لیا جاتا ہے''۔ یہ جو بننے کا عمل ہے، ہونے کا عمل ہے، یہ ہمارے ہاں علم کا آخری درجہ ہے کہ وہ علم ہم نے قبول کیا، اس کے بعد اس پر عمل کیا اور پھر اس کو اپنا حال بنایا۔ لہذا یہ ہمارے ہاں علم کا تصور ہے۔ اور جو دوسرے علوم ہیں ہم ان کو بھی ٹھیک کہتے ہیں کہ انھیں بھی حاصل کرنا چاہیے، لیکن جب ہم 'العلم' بولتے ہیں یا ہماری روایات میں آتا ہے اس سے قال اللہ اور قال الرسول مراد ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد آپ دنیا کے باقی علوم حاصل کریں۔ مثال

کے طور پر ارسطو کو اگر آپ پڑھیں تو وہ سب سے پہلے علم کے مقاصد پر بات کرتا ہے کہ مقاصدِ علم کیا ہیں۔ ارسطو نے سب سے بنیادی مقصد 'سعادت' قرار دیا ہے، عام طور پر اس کا ترجمہ Happiness کیا جاتا ہے وہ درست نہیں ہے، اصل میں وہ سعادت ہے۔ اور سعادت Contemplation of the reality سے حاصل ہوتی ہے، جس کا مطلب ہے حقیقتِ کبریٰ پر غور کرنا، یہ سب سے اونچا درجہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ Into live a moral and ethical life وہاں سے جو معرفت آپ کو حاصل ہوئی اس کے مطابق آپ ایک اخلاقی زندگی بسر کریں۔ ارسطو نے "ٹیکنے" کو تیسرا درجہ قرار دیا ہے جس کو ہمارے ہاں ٹیکنالوجی کہا جاتا ہے یعنی طاقت۔ اس دنیا میں آپ رہ رہے ہیں تو آپ کی جو ضرورتیں آپ سے وابستہ ہیں آپ ان سے اس دنیا کو تلاش کریں گے۔ آگ کی ضرورت پڑ گئی تو آپ نے دو پتھر رگڑے اور اس سے آگ نکل آئی۔ اسی طرح اپنی ضرورت کے لیے آپ نے پہیہ ایجاد کر لیا۔ یہ آپ اپنی دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے، اپنے نفس کی بقا کے لیے یہ سارے معاملات کرتے ہیں۔

اس وقت جو مغرب کا تصورِ علم ہے اس میں پہلی دو چیزوں کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس وقت علم کا مقصود طاقت ہے، یعنی پیش گوئی کے ذریعے کنٹرول، یہ سائنس ہے۔ اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ یہ جو فزکس اور کیمسٹری کا علم ہے اس میں طے شدہ نتائج ہیں، بنے بنائے سانچے ہیں، آپ پیش گوئی کر سکتے ہیں تو آپ اختیار بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور آج جو مولوی لوگ ہیں ان کے پاس کون سا علم ہے، یہ ہمیں کیا بتا سکتے ہیں، کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ یہ کر لو گے تو ایسا ہو جائے گا۔ ہمارے ہاں یہ بھی ایک تصور ہے کہ یہ بھی عروج وزوال کا ایک الٰہی قانون ہوتا ہے کہ یہ چار مراحل طے کر لیں گے تو ایسا ہو جائے گا۔ میں اس کو مغالطہ سمجھتا ہوں، عروج وزوال کے متعلق ہمارے ہاں بہت خلطِ مبحث پیدا ہوا ہے۔ دنیا میں قوموں اور قیادتوں کا بھی ایک قانونِ فطرت ہے اور وہ کوئی بھی قوم اختیار کر لے گی تو وہ عروج پر آجائے گی، میں اس بات کو بہت بڑا مغالطہ سمجھتا ہوں۔ جب سے ہم استعمار کا نشانہ بنے یہ بیانیہ شروع ہوا۔

مغرب کا تصورِ علم

ہمارا تصورِ علم کیا ہے اس کے متعلق ہم نے کچھ باتیں عرض کیں، اب یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ

مغرب کا تصورِ علم کیا ہے اور اسی سے ان کی تعلیم کا تصور بھی واضح ہو جائے گا۔ ذیل میں مغربی مفکرین کی کتابوں سے کچھ اقتباسات درج کیے جاتے ہیں تاکہ مغرب کا تصورِ علم انھی کے مفکرین کے الفاظ میں نمایاں ہو جائے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ یہ تصورات ہم نے خود سے گھڑ لیے ہیں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ ''روشن خیالی'' سے متعلق ایک انسائیکلوپیڈیا چھپا تھا جو فرانسیسی فلاسفہ نے تیار کیا تھا، یہ وہ فلسفی تھے جن کا انقلابِ فرانس میں بھی اہم کردار تھا، ان فلاسفہ میں والٹیئر بھی شامل ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کا چیف ایڈیٹر Denis Diderot تھا جو اس موضوع پر ایک بڑا نام ہے۔ ہم اس کا ایک اقتباس یہاں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ اٹھارھویں صدی کے اختتام پر مغرب میں تصورِ علم کیا تھا۔ ہم یہ بات جانتے ہیں کہ ۱۵۰۰ء تک پوری دنیا کا تصورِ علم تھوڑے فرق کے ساتھ وہی تھا جو مسلمانوں کا تھا، اس کے جوہر میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن Denis Diderot نے آکر کہا: There are three principal means of acquiring knowledge … observation of nature, reflection, and experimentation. Observation collects facts; reflection combines them; experimentation verifies the result of that combination. (Diderot, 1784) ''علم حاصل کرنے کے تین بنیادی ذرائع ہیں: فطرت کا مشاہدہ، عکاسی، اور تجربہ۔ مشاہدہ حقائق کو جمع کرتا ہے، عکاسی انھیں یک جا کرنے کا کردار ادا کرتی ہے، جبکہ تجربہ یک جا ہونے کے بعد اس کے نتیجے کی تصدیق کرتا ہے''۔ جو سائنسی طریقہ کار ہے اس کو انھوں نے تین جملوں میں بالکل سادگی سے بیان کیا۔

اگلا جملہ جان لاک کا ہے جو بڑا فلسفی ہے: No Man's Knowledge Can Go Beyond His Experience ''کسی انسان کا علم اُس کے تجربے سے آگے نہیں بڑھ سکتا''۔ جان لاک کے بعد کانٹ آیا، اور کانٹ نے اپنے تئیں خدا کے وجود کے دلائل کو اڑا کر رکھ دیا: All our knowledge begins with the senses, proceeds then to the understanding, and ends with reason. There is nothing higher than reason. ''ہمارا تمام علم حواس سے شروع ہوتا ہے،

پھر سمجھ کی طرف بڑھتا ہے، اور عقل پر ختم ہوتا ہے۔ لہذا عقل سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے"۔ان کے جدید تہذیب کے پیغمبر یہ باتیں کر رہے ہیں، یہ ہلکے لوگ نہیں ہیں، سیاسیات اور فلسفے کے ماہرین سے پوچھ لیں کہ فلسفے میں جان لاک کا کیا درجہ ہے یا کانٹ کس پائے کا فلسفی ہے؟ تو کانٹ نے بڑی صفائی سے کہا کہ علم کا آغاز حواس سے ہوتا ہے اور علم کی انتہا اور تکمیل میرے ذہن میں ہوتی ہے۔

اس کے بہت بعد ایک فرانسیسی فلسفی لیوتار آیا، اس نے ۱۹۷۹ء میں ایک کتاب لکھی۔ لیوتار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مابعدِ جدیدیت کا Early Theorist ہے، اس کی کتاب ہے The Postmodern Condition: A Report on Knowledge۔ اگرچہ "مابعدِ جدیدیت" کی تعریف بہت مشکل ہے، یعنی وہ اپنے جوہر میں ایسا تصور ہے جو تعریف کو قبول نہیں کرتا۔ مگر لیوتار نے اپنی کتاب میں مابعدِ جدیدیت کی جو تعریف کی ہے وہ بہت مشہور ہے۔ وہ تعریف یہ ہے: Incredulity Towards Metanarratives یعنی ہر طرح کے مہا اور کبیری بیانیوں سے بد اعتمادی۔ اس کتاب میں اس نے چند باتیں لکھی ہیں جو ہمارے موضوع کے لیے اہم ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ مابعدِ جدیدیت کو بڑے بیانیوں (میٹا نریٹوز) پر شک کی بنا پر پہچانا جاتا ہے۔ روایتی طور پر غالب خیال یہ رہا ہے کہ کسی بھی علم یا نظریے کی اہمیت اور قدر کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ نظریہ تصورِ حقیقت (the correspondence theory of truth) سے کیسی مطابقت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ روایتی طور پر ایک اور خیال یہ بھی رہا ہے کہ کسی بھی علم یا نظریے کی قدر متعیّن کرنے کا طریقہ اس کے خیالات اور اجزا کے نظام کی داخلی ہم آہنگی کو جانچنا ہے جسے Coherence Theory سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیوتار کا کہنا ہے کہ مابعدِ جدیدیت اس کے برعکس عملی (Pragmatic Theory) نقطۂ نظر اختیار کرتی ہے، جس میں کسی علم یا نظریے کو حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں قابلِ عمل ہونے کی بنا پر قابلِ قدر سمجھا جاتا ہے اور اس کی افادیت کی بنا پر اس کو اہمیت دی جاتی ہے، بھلے وہ تصورِ حقیقت سے مطابقت رکھے یا نہیں (کیونکہ حقیقت کا کوئی مطلق تصور تو مابعدِ جدیدت مانتی ہی نہیں) یا اس کے اجزا میں داخلی ہم آہنگی پائی جائے یا نہیں۔ یعنی لیوتار کا کہنا ہے کہ مابعدِ جدیدیت حقیقتِ مطلق اور آفاقی نظامِ علم کے روایتی تصورات کو چیلنج کر کے

علم کو جانچنے کے لیے ایک غیر مطلق، لچک دار اور بازاری قیمت پر مبنی معیار پر زور دیتی ہے۔لیو تار نے کہا کہ موجودہ علم میں سب سے اہم چیز کارآمد ہونا ہے۔علم کی اہمیت اس وقت ہوگی جب وہ ایک خاص معنی میں ''فائدہ مند'' ہو۔اب علم وہ کہلائے گا جو تجارتی امور میں منافع بخش ہو اور اس دور کی مارکیٹ میں ''قابلِ فروخت سامان'' ہو۔یعنی علم کاروبار بن جائے گا، علم ایک قابلِ فروخت جنس بن جائے گا۔لیو تار مزید لکھتا ہے کہ اب کمپیوٹرائزیشن کا دور آرہا ہے جس کے بعد علم میں اِسناد کا فقدان پیدا ہو جائے گا۔ یہ بات ستر کی دہائی میں اس وقت کہی گئی تھی جب سائبر دور کا آغاز ہو رہا تھا اور آج یہ ثابت ہو رہا ہے۔اب آدمی کے بجائے روبوٹ ہے یا مشین، جس میں انسان نے وہ ساری صلاحیتیں منتقل کر دیں۔ اور اسی طرح لیو تار نے کہا تھا کہ اب دنیا میں جو جنگیں ہوں گی وہ جنگیں ڈیٹا پر ہوں گی۔اس نے ۱۹۷۹ء میں یہ بات کہہ دی تھی کہ اب سب سے بڑا ریسورس ڈیٹا ہوگا۔اور آج Yuval Noah Harari ڈیٹا ازم کا لفظ استعمال کرتا ہے کہ اب جو آنے والا مذہب ہے اس کا نام ڈیٹا ازم ہے۔آپ دیکھیے کہ اس علم کی یہ گت بن رہی ہے جو مغرب میں وجود میں آیا اور اس علم سے انسان مِنہا ہو رہا ہے، Renaissance اور Enlightenment کا سارا آئیڈیا ہیومن ازم تھا اور وہ ہیومن ہی غائب ہوگیا۔ یعنی آپ نے معاذ اللہ! خدا سے غداری کی ہے تو پھر انسانیت نام کا جو جانور ہے وہ زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکتا۔

جاری ہے

* * * * *

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی
مدیر ماہنامہ مفاہیم

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ

قسط نمبر ۲۸

فلسطینیوں کی تحریکِ آزادی کی ''انقلابی لہر'' ۱۹۳۶ء سے جاری تھی اور اس میں کئی اتار چڑھاؤ آتے رہے۔ اس دوران برطانوی فوج اور پولیس پر ہزاروں حملے کیے گئے اور یہودیوں کی بستیوں پر چھے سو سے زائد حملے ہوئے۔ صرف ۱۹۳۸ء کے ریکارڈ کے مطابق اس سال عرب شہدا کی تعداد چھے سو کے لگ بھگ رہی اور تین سو کے قریب یہودی اور تقریبًا ایک سو برطانوی واصلِ جہنم ہوئے۔ اڑھائی ہزار عرب گرفتار کیے گئے جن میں سے پچاس کے قریب لوگوں کو پھانسی دی گئی۔ جب اگست ۱۹۳۸ء میں برطانوی وزیرِ نوآبادیات میلکم جان میکڈونلڈ فلسطین کے دورے پر آیا تو اس نے اپنے بیان میں کہا کہ فلسطینی تحریک کو آسانی سے کچلا نہیں جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایک طرح سے برطانوی فوج کو اشارہ تھا کہ وہ مزید سختی کر سکتی ہے۔ اسی عرصے میں برطانوی فوجی قیادت کا بھی یہ بیان سامنے آتا رہا کہ فلسطینیوں کے پاس باہمی ربط و ضبط بھی ہے اور ان کے پاس عوامی طاقت بھی ہے۔ ۱۹۳۶ء میں جو مجاہد پانچ ہزار تھے اب وہ پندرہ ہزار ہو چکے ہیں۔ یہ بھی طاقت کے اندھے استعمال کے لیے جواز فراہم کرنا تھا۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں جنرل رابرٹ ہین انگ کو فلسطین میں برطانوی فوج کا نیا آفیسر بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے برطانوی فوجی ہیبت کا سکہ جمانے کے لیے مزید فوج منگوائی اور پڑوسی ممالک کی سرحدوں پر پہرے داری کا نظام قائم کیا اور چھے ہزار یہودی سپاہیوں کو یہاں متعیّن کیا تاکہ دوسرے ملکوں سے مجاہدین کو کمک نہ مل سکے۔ اس کے بعد اس نے انقلابیوں کے زیرِ انتظام علاقے واپس لینے کے لیے وحشیانہ کارروائیاں شروع کیں اور تحریک کو سختی سے کچلنا شروع کیا۔ تشدد کی اس نئی لہر میں کئی ہزار

لوگوں کو شہید اور زخمی کیا گیا۔ چنانچہ فلسطینیوں کی انقلابی تحریک بہت کمزوری ہوگئی۔ خاص طور پر مارچ ۱۹۳۹ء میں امیرِ جہاد عبد الرحیم الحاج محمد ابو کمال کی شہادت کے بعد تحریک بالکل آخری مراحل میں داخل ہوگئی۔ مئی ۱۹۳۹ء میں فلسطین کی برطانوی حکومت نے وائٹ پیپر کے نام سے فلسطین کے بارے میں اپنی نئی پالیسی جاری کی۔ وائٹ پیپر میں کہا گیا کہ مسئلۂ فلسطین کا حل بہت مشکل ہے اس لیے فی الوقت تو کچھ نہیں کیا جا سکتا، البتہ دس سال کی مدت تک حکومتِ برطانیہ فلسطین کی مستقل حکومت قائم کر دے گی جو برطانیہ کے ساتھ ایک معاہدے میں جڑی ہوگی۔ آزاد فلسطین کی ریاست کا قیام اس صورت میں عمل میں لایا جائے گا جب یہود و عرب دونوں قومیں اس حکومت میں مل جل کر رہنے کی قائل ہوں بلکہ ایک دوسرے کے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنے پر بھی راضی ہوں۔ ظاہر ہے ایسا ہو بھی جاتا تو یہ ایک طرح سے یہودی ریاست بنانے کی راہ ہموار کرنا تھا۔ اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ جب دس سال کی مدت پوری ہونے کو آئے گی تو اگر حالات قیامِ سلطنت کے لیے سازگار نہ ہوں تو حکومتِ برطانیہ اسے موخر بھی کر سکتی ہے۔ البتہ اس کے لیے وہ اہلِ فلسطین، مجلسِ اقوامِ عالم اور پڑوسی عرب ممالک سے مشاورت کرے گی۔ عربوں کا دیرینہ مطالبہ یہ تھا کہ فلسطین میں جاری یہودی ہجرت پر پابندی لگائی جائے۔ حکومتِ برطانیہ نے ”کمالِ انصاف“ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اجراے اعلامیہ کے پانچ سال بعد سے ہجرت پر پابندی لگانے کا اعلان کیا۔ البتہ عربوں پر ”احسان“ کرتے ہوئے قرار دیا گیا کہ اس پانچ سال کے دوران اتنی ہی ہجرت کی جائے گی جس کا سہار فلسطینی زمین اور معیشت کر سکے گی (اس کا فیصلہ بھی ظاہر ہے فرنگیوں ہی نے کرنا تھا)۔

یہودیوں اور عربوں میں ایک مسئلہ زمینوں کی خرید و فروخت کا تھا۔ یہودی اور فرنگی باہمی ساز باز اور مکر و سازش سے مسلمانوں کی زمینیں بالخصوص زرخیز زرعی زمینیں ہتھیا رہے تھے۔ فلسطینی تحریک کا ایک اہم مطالبہ یہ بھی تھا کہ زمینوں کی خرید و فروخت اور انتقال پر قانونی پابندی لگائی جائے۔ وائٹ پیپر میں زمینوں کی کچھ اقسام بنادی گئیں۔ ایک قسم کی زمین کو ناقابلِ انتقال قرار دیا گیا جبکہ ایک قسم کی زمین کے انتقال کا محدود جواز رکھا گیا جبکہ ایک قسم کی زمین کو مطلق قابلِ انتقال قرار دیا گیا، لیکن ساتھ ہی یہ تصریح کر دی گئی کہ برطانوی ہائی

کمشنر کو ان ضوابط پر ہر وقت نظرِ ثانی کا حق حاصل رہے گا۔ وائٹ پیپر میں یہودیوں کے ساتھ انگریزوں کے فوجی تعاون کو مزید وسیع کرنے کا اعلان کیا گیا۔ چنانچہ یہودیوں نے اس کے بعد بہت زیادہ فوجی ترقی کی۔ وائٹ پیپر کی اشاعت کے کچھ عرصے بعد دوسری عالمی جنگ (ستمبر یکم ۱۹۳۹ء تا دو ستمبر ۱۹۴۵ء) شروع ہوگئی۔ اس دوران فلسطینی تحریک تقریباً مفلوج ہی رہی۔ اس عرصے میں فلسطین اور دوسرے عرب ممالک کی سیاست مطالبات تک محدود رہی۔ کبھی یہودی ہجرت پر پابندی کا مطالبہ اور کبھی نئی بستیوں کے قیام پر پابندی کا مطالبہ اور کبھی کوئی اور مطالبہ، البتہ یہود نے اس موقعے کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر محوری طاقتوں کے خلاف لڑنا قبول کیا۔ انھوں نے شرط لگائی کہ ہمارے لوگ صرف جرمن محاذ پر ہی لڑیں گے اور یہ کہ یہودی افواج، یہودی جھنڈے کے ساتھ لڑیں گی تاکہ وہ ممتاز ہو سکیں اور ان کی پہچان نمایاں ہو سکے۔ جنگِ عظیم دوم میں برطانیہ کی حمایت میں جنگ میں شامل ہونے سے یہودیوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔ اس دوران یہودی دہشت گرد تنظیموں ''ہاگاناہ''، ''ارگون'' اور ''نوتریم'' کو بہت زیادہ منظم کیا گیا۔ ان کے تربیتی کیمپ بنائے گئے اور انھیں اسلحے کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اسلحے کے استعمال کی تربیت بھی دی گئی۔ اسی دور میں یہودیوں نے اپنے زرعی رقبوں میں اسلحہ سازی بھی شروع کی ساتھ ہی بولونیا وغیرہ اور خود برطانیہ سے کئی لاکھ پونڈ مالیت کا اسلحہ یہودیوں نے خریدا۔ جنگ کے دوران پولینڈ اور برطانیہ کے ہزاروں یہودی فوجی چوری چھپے اسرائیل میں آباد کر کے جماعتِ یہود کا حصہ بنا دیے گئے۔ اس طرح منظم یہودی افواج کی تعداد ساٹھ ہزار تک جا پہنچی۔ جنگِ عظیم کی آڑ میں یہودیوں نے غیر قانونی ہجرت کا سلسلہ جاری رکھا۔ درجنوں فارم ہاوس اور نئی بستیاں قائم کی گئیں۔ الجلیل اور الخلیل وغیرہ کے علاقے میں پچاس کے قریب بستیاں آباد کی گئیں جن میں یہودی دہشت گرد تنظیموں کے اراکین کو بسایا گیا تاکہ آنے والے مراحل میں جنگی قوت مہیا رہے۔ یہودی دہشت گرد تنظیمیں ''ہاگاناہ'' اور ''ارگون'' مختلف دہشت گردانہ کارروائیوں میں مصروف تھیں۔ ۱۹۴۱ء میں ہاگاناہ کے دو درجن کے قریب دہشت گردوں نے کسی برطانوی افسر کی قیادت میں ایک آئل ریفائنری کو تباہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا جو جرمن فوجوں کو پٹرول فراہم کرتی تھی۔ یہ مہم ناکام رہی اور اس میں شامل تمام یہودی

واصلِ جہنم ہوئے۔ اسی سال یہودی دہشت گرد تنظیم ہاگاناہ نے ارگون تنظیم کے ساتھ مل کر مفتی الحاج امین الحسینی مقیم بغداد کو گرفتار یا اغوا کرنے کی کوشش کی۔ اللہ کے فضل سے یہ مہم بھی ناکام رہی اور دیگر یہودیوں کے ساتھ ارگون کا ایک لیڈر ڈیوڈ رازیل بھی مارا گیا۔ مئی ۱۹۴۲ء میں نیویارک کے بلٹ مور ہوٹل میں ایک یہودی کانفرنس کا انعقاد کیا گیا جو "بالٹ مور کانفرنس" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کانفرنس نے یہودی ہجرت پر سے ہر قسم کی پابندیاں ہٹانے کا مطالبہ کیا۔ کانفرنس کے اعلامیے میں یہودی ریاست کے قیام کو ایک نیا رخ دیا گیا۔ اعلانِ بال فور کے مطابق فلسطین میں یہود کی قومی ریاست بنانے کا اعلان کیا گیا تھا۔ لارڈ بیل کمیٹی نے ۱۹۳۷ء میں فلسطین کے ایک حصے میں یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کیا تھا، لیکن بالٹ مور کانفرنس نے پورے فلسطین میں "یہودی دولتِ مشترکہ" بنانے کا مطالبہ کیا۔

یہ پہلے بیان ہو چکا کہ بعض یہودی انتہا پسند دہشت گرد تنظیمیں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ فلسطین کی برطانوی حکومت کے خلاف بھی دہشت گردانہ کارروائیاں کیا کرتی تھیں۔ ان کے خیال میں فلسطین انتدابِ برطانیہ یہودی ریاست کے قیام میں تاخیر کر کے جرم کا مرتکب ہو رہی ہے۔ ۱۹۴۴ء میں یہودی دہشت گردوں نے قاہرہ میں ایک برطانوی وزیر پر حملہ کیا۔ اس کا الزام فلسطینی مسلمانوں پر لگا کر ان کے خلاف انتقامی کارروائیاں شروع کر دی گئیں اور سینکڑوں مسلمانوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔ جنگِ عظیم میں اگرچہ اتحادیوں کو فتح ہوئی تھی لیکن اس فتح میں امریکی مداخلت کا کردار بہت زیادہ تھا۔ برطانیہ کی ریاست جنگِ عظیم کے سبب بہت کمزور ہو چکی تھی۔ کئی علاقے برطانیہ کے قبضے سے نکل چکے تھے اور برطانیہ بھی آزادی مانگنے والوں کو آزاد کرتا جا رہا تھا۔ جس کی نمایاں مثال برِ صغیر پاک و ہند ہے۔ اگرچہ برطانیہ کی ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ تھیں لیکن جنگ کے بعد کے حالات کے سبب وہ ذرا سنبھل کے چل رہے تھے جبکہ یہودی انتہا پسند اپنے مقاصد کی تکمیل میں زیادہ تیزی دکھا رہے تھے۔ انھوں نے اب دوڑ خوں پر کام کرنا شروع کیا۔ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ برطانیہ کی اب وہ حیثیت نہیں رہی جو جنگ سے پہلے تھی بلکہ اس مقام پر اب امریکہ فائز ہو چکا ہے، لہٰذا انھوں نے امریکہ میں اپنی لابی کو متحرک کر کے اسے اپنے قضیے میں ملوث کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔

دوسری طرف یہودیوں نے فلسطین میں برطانیہ مخالف ''دہشت گردی'' کرتے ہوئے نہ صرف سرکاری املاک بلکہ برطانوی افواج اور پولیس پر حملے شروع کیے۔ برطانوی حکومت نے اس کے جواب میں ظاہر ہے کہ ''سختی'' سے کام لیا۔ لیکن انھیں علاقائی اور عالمی حالات اور طاقت کے نئے مراکز اور بدلتے توازن کا خوب اندازہ تھا۔ اس لیے برطانیہ کی بھی خواہش تھی کہ مسئلۂ فلسطین میں ''نیو سپر پاور'' امریکہ کی مداخلت کو یقینی بنایا جائے۔ چنانچہ برطانوی سیاست دان آرنسٹ بیون نے ایوانِ نمائندگان میں مسئلۂ فلسطین پر خطاب کرتے ہوئے مسئلے کے حل کے لیے ایک کمیٹی کے قیام کی تجویز دی جو برطانوی اور امریکی نمائندوں پر مشتمل تھی، چنانچہ ''اینگلو امریکن کمیٹی'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مارچ ۱۹۴۶ء کے ابتدائی دنوں میں کمیٹی نے فلسطین کا دورہ کیا۔ یہود کی طرف سے وائزمین اور بن گوریان شریک ہوئے جبکہ فلسطینیوں کی طرف سے جمال الحسینی شریک ہوئے۔ مارچ کے آخر میں اینگلو امریکی کمیٹی کا دوسرا اجلاس ''لوزان'' کے مقام پر ہوا جس میں حتمی سفارشات کا اعلان کیا گیا۔ یہ سفارشات یہودی مفادات کے تحفظ میں تھیں اور برطانیہ کے بجائے امریکی ارکانِ کمیٹی ان تجاویز کے مُجَوِز تھے۔ سفارشات کے مطابق فلسطینی زمینوں کی خرید و فروخت اور انتقال پر تمام پابندیاں اور ضوابط معطل کر کے ہر کسی کو ہر قسم کی زمین خریدنے اور انتقال کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اعلامیے میں کہا گیا کہ یہودی آباد کاری کے لیے فلسطین سے بہتر علاقہ کوئی نہیں ہے۔ حکومتِ برطانیہ نے کسی وقت پچھتر ہزار یہودیوں کو فلسطین میں آباد کرنے کا اعلان کیا تھا اور کہا تھا کہ اس تعداد کے مکمل ہونے کے بعد ''مسلمانوں کی موافقت'' کے بغیر ایک یہودی بھی فلسطین میں آباد نہ کیا جا سکے گا۔ بعد میں حکومتِ برطانیہ نے اپنے اس وعدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پندرہ سو یہودیوں کو ہر مہینے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اب اینگلو امریکن کمیٹی نے قرار دیا کہ ہم یہودیوں کی ہجرت پر مسلمانوں کی اجازت کی شرط کو مسترد کرتے ہیں، اس لیے کہ اس سے مسلمانوں کو یہودیوں پر فوقیت حاصل ہونے کا اندیشہ ہے۔ کمیٹی نے یہودیوں کی ہجرت پر سے پابندی اٹھاتے ہوئے ایک لاکھ یہودیوں کو سال ۱۹۴۶ء میں یہاں آباد کرنے کا اعلان کیا۔ کمیٹی نے قرار دیا کہ امن و امان کے لیے یہودی مسلح تنظیموں کا وجود بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کمیٹی کی کئی سفارشات صحت و تعلیم وغیرہ کے

متعلق تھیں۔ یہ یہود کی ایک بڑی کامیابی تھی۔ یہودی صحافیوں نے اس پر بہت خوشیاں منائیں اور اسے مسلمانوں کی شکست سے تعبیر کیا۔ جس دن یہ اعلامیہ صادر ہوا اسی دن امریکی صدر ہیری ایس ٹرومین نے اس کی حمایت میں تقریر کی اور اسے یہودیوں کے قومی وطن کی جانب ایک پیش رفت قرار دیا۔

جاری ہے

*****

کتابیات:

القدس و المسجد الأقصى عبر التاريخ، دكتور محمد علي البار، دارالقلم، دمشق

و اقدساه، دكتور سيد حسين العفاني مكتبة دار البيان الحديثية، السعودية، الطائف

فلسطين في عهد الانتداب، دكتور أحمد طربين، shorturl.at/druNO

الثورة الكبرىٰ العربية في فلسطين، صبحي محمد ياسين، noor-book.com/wgper0

مذكرات عوني عبد الهادي، مركز دراسات الوحدةالعربية، بيروت لبنان، سبتمبر ۲۰۰۲ء

مولاناہوش محمد پاشا
استاذفقہ اکیڈمی

شاعرِ انقلاب معین بسیسو

عظیم فلسطینی شاعر کی تحریکی زندگی اور ان کا ایک مشہور قصیدہ

معین بن توفیق بسیسو ۱۹۲۶ء میں فلسطین کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم غزہ شہر کے محلے شجاعیہ میں حاصل کی اور ۱۹۴۳ء میں غزہ کالج میں داخلہ لیا۔ محض اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۹۴۴ء مین ان کا پہلا قصیدہ یافا کے رسالے الحریۃ میں شائع ہوا۔ ۱۹۴۶ء میں حیفا کے کمیونسٹ اخبار الاتحاد میں معین بسیسو کی قوم پرست نظمیں شائع ہونا شروع ہوگئیں۔ انھوں نے ۱۹۴۷ء میں غزہ کی پٹی میں نیشنل لبریشن لیگ کے کچھ کمیونسٹ ارکان سے ملاقات کی اور کمیونسٹ بننے کے بعد سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں قاہرہ (مصر) میں قائم امریکی جامعہ میں پڑھنے گئے اور ۱۹۵۲ء میں صحافت کے شعبے سے فراغت حاصل کی جس میں الكلمة المنطوقة والمسموعة في برامج إذاعة الشرق الأدنى نامی مقالہ لکھا۔ اس مقالے میں آپ نے اس دور کے جدید ذرائعِ ابلاغ (ریڈیو اور ٹی وی) اور قدیم ذریعۂ ابلاغ (اخبار) سے متعلق بحث کی ہے۔ قاہرہ میں قیام کے دوران کمیونسٹ ڈیموکریٹک موومنٹ فار نیشنل لبریشن کے نمائندہ رسالے الملایین نے بسیسو کی تخلیقات شائع کیں۔ ۱۹۵۲ء ہی میں آپ کا پہلا دیوان المعركة شائع ہوا۔ قاہرہ سے غزہ واپس آنے کے بعد بسیسو ایک سرکاری اسکول میں استاذ ہوگئے۔ اسی عرصے میں انھیں نیشنل لبریشن لیگ کا سیکرٹری جنرل بھی منتخب کیا گیا۔ آپ نے اسرائیلیوں کے فلسطین پر جبری قبضے کا انکار کرتے ہوئے ان کے خلاف آواز اٹھائی اور اپنے قصائد کے ذریعے لوگوں کو اس بات پر ابھارا کہ اسرائیلیوں کے خلاف اُٹھ

کھڑے ہوں۔ جس کی وجہ سے آپ کو دو مرتبہ (۵۷۔۱۹۵۵ء اور ۶۳۔۱۹۵۹ء) جیل بھی جانا پڑا۔ آپ کی انھی خدمات کے پیشِ نظر آپ کو ''شاعرِ غزہ'' کا لقب دیا گیا۔ جب اسرائیل نے ۱۹۶۷ء میں غزہ پر قبضہ کیا تو بسیسو غزہ چھوڑ کر دمشق چلے گئے جہاں انھوں نے شامی اخبار الثورۃ میں کام کیا اور ۱۹۶۸ء تک شامی ریڈیو کے لیے مختلف پروگرام بھی لکھے۔ ۱۹۷۲ء میں بسیسو بیروت منتقل ہو گئے اور یہاں فلسطینی مصنفین اور صحافیوں کی جنرل یونین کے جنرل سیکری ٹیریٹ کے رکن منتخب ہوئے اور ایفرو ایشین رائٹرز یونین کے جنرل سیکری ٹیریٹ کے رکن بھی بن گئے۔ بیروت میں قیام کے دوران یاسر عرفات کے مشیر بھی رہے۔ جس زمانے میں معروف انقلابی شاعر فیض احمد فیضؔ لبنان میں مقیم تھے اور حریتِ فلسطین کی جدوجہد میں پیش پیش تھے، معین بسیسو کے ساتھ ان کے گہرے مراسم تھے۔ حتیٰ کہ ۱۹۷۸ء میں حریت پسندوں کے معروف ثقافتی وسیاسی مجلے لوٹس کے مدیر یوسف سباعی کے انتقال کے بعد لوٹس کے شایانِ شان کسی مدیر کے تقرر کی ضرور آن پڑی تو معین بسیسو ہی یاسر عرفات کی طرف سے ادارت کی پیش کش لے کر فیضؔ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بسیسو کچھ عرصہ تیونس میں بھی مقیم رہے۔ ان کی تحریروں کا روسی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، ہسپانوی، جاپانی، ویتنامی اور فارسی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ ان کا ترجمہ وسط ایشیائی ریاستوں کی کئی زبانوں میں بھی کیا گیا جو کبھی سابق سوویت یونین کا حصہ تھیں۔ معین بسیسو ۲۳، جنوری ۱۹۸۴ء کو لندن میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے، ان کے اہلِ خانہ نے انھیں غزہ میں دفن کرنا چاہا لیکن اسرائیل نے انکار کر دیا، چنانچہ ان کی میت کو لندن سے تیونس اور پھر قاہرہ لے جایا گیا، جہاں انھیں قاہرہ کے مضافات میں اربعینات قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ معین بسیسو فلسطین کے بڑے اور نمائندہ شاعر اور ادیب تھے جنھوں نے کمیونسٹ اور قوم پرست حریت پسندوں کے ساتھ مل کر فلسطین کی آزادی کی خاطر اپنی عمر وقف کر دی اور عالمی سطح پر فلسطین کی تحریکِ آزادی کا پیغام عام کیا، دنیا بھر کو غاصب صیہونیوں کے مظالم سے آگاہ کیا اور استقامت کی ایک مثال قائم کی۔ بسیسو محض ''انقلابی شاعر'' اور ''باغی شاعر'' ہی نہیں غضب کے ڈرامہ نگار بھی تھے۔ ۲۰۱۵ء میں، بیروت میں دار الفارابی نے بسیسو کے مکمل ادبی کاموں کو ستائیس کتابوں میں شائع کیا، جس میں شاعری کی تین، ڈراموں کی

دو، اور نثر کی سات جلدیں شامل تھیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

شاعری: المعركة، مارد من السنابل، فلسطين في القلب، الأشجار تموت واقفة، جئت لأدعوك باسمك، الآن خذي جسدي كيساً من رمل، القصيدة.

ڈرامے: مأساة إرنستو تشي جيفارا، ثورة الزنج، شمشون ودليلة.

نثر: نماذج من الرواية الإسرائيلية المعاصرة، يوميات غزة، أدب القفز بالمظلات، باجس أبو عطوان: مات البطل عاش البطل، البولدوزر، دفاتر فلسطينية، الاتحاد السوفييتي لي، 88 يوماً خلف متاريس بيروت.

درج ذیل قصیدہ بھی معین بسیسو کے اہم قصائد میں سے ایک ہے۔ اس قصیدے کو دو مختلف عنوانات کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے: سنقتلعُ الموتَ من أرضنا (ہم جلد ہی اپنی سرزمین سے موت کو اکھاڑ پھینکیں گے) اور الطريقة إلى الزِنزانة (جیل کا راستہ)۔ کیونکہ اس قصیدے میں ایک مردِ مجاہد کے اُن احوال کا ذکر ہے جو اسے جیل خانے کی طرف جاتے ہوئے پیش آتے ہیں، جس وقت سپاہی اس کو بغیر کسی وجہ کے گھر سے جیل لے جا رہے ہوتے ہیں:

سَنَقْتَلِعُ الْمَوْتَ مِنْ أَرْضِنَا	ہم جلد ہی اپنی سرزمین سے موت کو اکھاڑ پھینکیں گے
هُنَاكَ...هُنَاكَ...بَعِيْدًا بَعِيدْ...	وہاں... وہاں... بہت ہی دور
سيَحْمِلُنِيْ يَا رِفَاقِي...الْجُنُوْدْ...	اے میرے ساتھیو! جلد ہی مجھے لشکر لے جائیں گے
سَيُلْقُوْنَ بِيْ فِي الظَّلَامِ الرَّهِيبْ	عن قریب وہ مجھے خوفناک اندھیرے میں ڈال دیں گے
سَيُلْقُوْنَ بِيْ فِيْ جَحِيْمِ الْقُيُودْ	جلد ہی مجھے وہ پابندیوں والی جہنم میں دھکیل دیں گے
نَعَمْ لَنْ نَّمُوْتَ، وَلٰكِنَّنَا	(اس کے باوجود) ہاں! ہم ہرگز نہیں مریں گے بلکہ ہم
سَنَقْتَلِعُ الْمَوْتَ مِنْ أَرْضِنَا	جلد ہی موت کو اپنی سرزمین سے اکھاڑ پھینکیں گے

لَقَدْ فَتَّشُوْا غُرْفَتِيْ يَا أَخِيْ	اے بھائی! انھوں نے میرے کمرے کی تلاشی لی
فَمَا وَجَدُوْا غَيْرَ بَعْضِ الْكُتُبْ	تو انھیں کچھ نہ ملا چند کتابوں کے سوا
وَأَكْوَامِ عَظْمٍ هُمُ... إِخْوَتِيْ	اور ہڈیوں کے ڈھیر کے سوا، میرے دیگر بھائی
يَئُنُّوْنَ مَا بَيْنَ أُمٍّ... وَّأَبْ	ماں باپ کے سامنے رو رہے تھے
لَقَدْ أَيْقَظُوْهُمْ... بِرَكْلَاتِهِمْ	سپاہیوں نے لاتوں سے انھیں اٹھایا
لَقد أشعلوا في العيونِ الغضبْ	انھوں نے آنکھوں میں غصے کو بھڑکا دیا
نَعَمْ لَنْ نَّمُوْتَ، وَلٰكِنَّنَا	سن لو...! ہم ہرگز نہیں مریں گے بلکہ ہم
سَنَقْتَلِعُ الْمَوْتَ مِنْ أَرْضِنَا	جلد ہی اپنی سرزمین سے موت کو اکھاڑ پھینکیں گے

أَنَا الْآنَ بَيْنَ جُنُوْدِ الطُّغَاةِ	اب میں باغیوں کے لشکروں کے درمیان (گھرا ہوا) ہوں،
أَنَا الْآنَ أُسْحَبُ لِلْمُعْتَقَلْ	اب میں قید خانے کی طرف دھکیلا جا رہا ہوں
وَمَا زَالَ وَجْهُ أَبِيْ مَاثِلًا	اور میرے والد کا چہرہ ہمیشہ میرے سامنے رہتا ہے
أَمَامِيْ... يُسَلِّحُنِيْ بِالْأَمَلْ	اس حال میں کہ وہ مجھے امید سے مسلح کر رہے ہوتے ہیں
وَأُمِّيْ... تَئِنُّ أَنِيْنًا طَوِيلْ	اور میری والدہ بہت زیادہ روتی ہیں،
وَمِنْ حَوْلِهَا إِخْوَتِيْ يَصْرُخُونْ	اور اُن کے آس پاس میرے بھائی آہ و فغاں کرتے ہیں
وَمِنْ حَوْلِهِمْ... بَعْضُ جِيْرَانِنَا	اور ان کے اردگرد ہمارے کچھ پڑوسی ہوتے ہیں
وَكُلٌّ لَّه... وَلَدٌ فِي السُّجُونْ	اور (ان میں سے) ہر ایک کا بچہ قید میں ہے
نَعَمْ لَنْ نَّمُوْتَ، وَلٰكِنَّنَا	پھر بھی! ہم ہرگز نہیں مریں گے بلکہ ہم
سَنَقْتَلِعُ الْمَوْتَ مِنْ أَرْضِنَا	جلد ہی اپنی سرزمین سے موت کو اکھاڑ پھینکیں گے

وَلٰكِنَّنِيْ رَغْمَ بَطْشِ الْجُنُوْدْ
رَفَعْتُ يَدًا أَثْقَلَتْهَا الْقُيُوْدْ
وَصِحْتُ بِهِمْ: إِنَّنِيْ عَائِدٌ
بِجَيْشِ الرِّفَاقِ... بِجَيْشِ الرُّعُودْ
نَعَمْ لَنْ نَّمُوْتَ، وَلٰكِنَّنَا
سَنَقْتَلِعُ الْمَوْتَ مِنْ أَرْضِنَا

اور میں نے سپاہیوں کی گرفت کے باوجود
(اپنا) ہاتھ بلند کیا جو بیڑیوں کے وزن سے بھاری ہو چکا تھا،
پھر میں نے انھیں چیخ کر کہا: ”میں ضرور واپس آؤں گا
ساتھیوں کا لشکر لے کر... رعب اور دبدبے والا لشکر لے کر“
سنو ظالمو! ہم ہرگز نہیں مریں گے بلکہ ہم
جلد ہی اپنی سرزمین سے موت کو اکھاڑ پھینکیں گے

هُنَاكَ أَرٰى عَامِلًا فِي الطَّرِيْقْ
أَرٰى قَائِدَ الثَّوْرَةِ الْمُنْتَصِرْ
يُلَوِّحُ لِيْ بِيَدٍ مِّنْ حَدِيدْ
وَأُخْرٰى تَطَايَرَ مِنْهَا الشَّرَرْ
نَعَمْ لَنْ نَّمُوْتَ، وَلٰكِنَّنَا
سَنَقْتَلِعُ الْمَوْتَ مِنْ أَرْضِنَا

وہاں مجھے راستے میں ایک کارندہ نظر آ رہا ہے
مجھے انقلاب کا فاتح رہنما نظر آ رہا ہے،
وہ میری خاطر (اپنا) آہنی ہاتھ ہلاتا ہے،
جبکہ دوسرے (ہاتھ) سے شعلے نکل رہے ہیں
ہاں! ہم ہرگز نہیں مریں گے بلکہ ہم
جلد ہی اپنی سرزمین سے موت کو اکھاڑ پھینکیں گے

أَنَا الْآنَ بَيْنَ مِئَاتِ الرِّفَاقِ
أَشُدُّ لِقَبْضَاتِهِمْ... قَبْضَتِيْ
أَنَا الْآنَ أَشْعُرُ أَنِّيْ قَوِيّ
وَأَنِّيْ سَأَهْزِمُ... زِنْزَانَتِيْ
نَعَمْ لَنْ نَّمُوْتَ، وَلٰكِنَّنَا

اب میں سینکڑوں ساتھیوں کے درمیان ہوں،
میں نے ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر اپنی گرفت مضبوط کی
اب میں محسوس کرتا ہوں کہ میں بہت طاقت ور ہوں
اور میں جلد ہی اپنے قید خانے کو شکست دے دوں گا
ہاں! ہم ہرگز نہیں مریں گے بلکہ

سَنَقْتَلِعُ الْمَوْتَ مِنْ أَرْضِنَا　　جلد ہی اپنی سرزمین سے موت کو اکھاڑ پھینکیں گے

نَعَمْ لَنْ نَّمُوْتَ، نَعَمْ سَوْفَ نَحْيَا　　ہاں! ہم ہرگز نہیں مریں گے، ہاں! عن قریب ہم جییں گے
وَلَوْ أَكَلَ الْقَيْدُ مِنْ عَظْمِنَا　　اگرچہ بیڑیاں ہماری ہڈیوں کو کھاجائیں
وَلَوْ مَزَّقَتْنَا سِيَاطُ الطُّغَاة　　اور ظالموں کے کوڑے ہمارے ٹکڑے ٹکڑے کردیں،
وَلَوْ أَشْعَلُوا النَّارَ فِيْ جِسْمِنَا　　چاہے وہ ہمارے جسموں کو آگ لگادیں
نَعَمْ لَنْ نَّمُوْتَ، وَلٰكِنَّنَا　　ہاں! ہم ہرگز نہیں مریں گے بلکہ ہم
سَنَقْتَلِعُ الْمَوْتَ مِنْ أَرْضِنَا　　جلد ہی اپنی سرزمین سے موت کو اکھاڑ پھینکیں گے

*****

مفتی اویس پاشاقرنی
ضبط وترتیب: مولانامحمد اقبال

ہارون آفندی آلِ عثمان سے ایک یادگار ملاقات

ترکیہ کا نام آتے ہی قدرتی طور پر تاریخ کے طالبِ علم کا ذہن اس کی تابناک تاریخ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اور ترکیہ کی بے مثال اور شاندار تاریخ، عثمانی خاندان کے بغیر نامکمل ہے۔ بلکہ یوں کہیں تو زیادہ درست ہوگا کہ ترکیہ کی تاریخ، عثمانی خاندان کی تاریخ ہے اور عثمانی خاندان کی تاریخ ترکیہ کی تاریخ ہے، یعنی یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ اس خاندان نے تقریباً چھے صدیوں تک بڑے احتشام کے ساتھ بلادِ ترکیہ سمیت تقریباً تمام عالمِ اسلام پر حکومت کی ہے۔ نیز خلافت جیسے عظیم منصب کا اختتام سلطانِ معظم عبدالحمید ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی معزولی پر ہوا۔

جب جنگِ عظیم میں ترکیہ کمزور ہونے لگا تو بیرونی سازشوں کے ذریعے یہاں مختلف تنظیمیں قائم کی گئیں جو خلافت کے خاتمے کے لیے کمربستہ ہوئیں۔ چنانچہ ان تنظیموں کی کوششوں کی بنا پر سلطان عبدالحمید ثانی کو ۱۹۰۸ء میں معزول کردیا گیا۔ سلطان عبدالحمید ثانی کی جگہ ان کے بھائی محمد رشاد خان تخت نشین ہوئے جو ۱۹۱۸ء تک سلطان رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے ایک اور بھائی وحیدالدین خان سلطان چنے گئے جو ۱۹۲۲ء تک تختِ حکومت پر متمکّن رہے۔ بدنصیب مصطفیٰ کمال نے یکم نومبر ۱۹۲۲ء کو سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے کا باضابطہ طور پر اعلان کردیا اور وحیدالدین خان کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر ملک بدر کردیا گیا۔ سلطان وحیدالدین خان کی جبری معزولی اور ملک بدری کے بعد ان کے چچازاد بھائی عبدالمجید ثانی بن سلطان عبدالعزیز خلیفہ منتخب کیے گئے جو ۱۹۲۴ء تک خلیفہ رہے، مگر پھر مصطفیٰ کمال نے انھیں بھی معزول کرکے خلافت کا خاتمہ کردیا۔ خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد مصطفیٰ کمال نے عبدالمجید ثانی کو تمام عثمانی خاندان

سمیت ملک بدر کر دیا۔ انھیں صرف جلاوطن کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس خاندان کے کل افراد کی ترک جمہوریہ سے شہریت بھی ختم کر دی گئی۔ چنانچہ ایک ایسا خاندان جس نے تقریبًا چھے سو سال تک بڑے طمطراق کے ساتھ حکومت کی آج اس خاندان کے کسی فرد کے لیے اپنے وطن میں ٹھہرنا بھی ممکن نہ رہا۔ سلطان کو فرانس جلاوطن کیا گیا اور عثمانی خاندان کے دیگر افراد مختلف ممالک، لبنان، مصر، شام، فرانس اور امریکہ میں رہنے لگے، یہاں تک کہ ۱۹۵۱ء میں اس خاندان کی خواتین کو اور ۱۹۷۳ء میں مرد حضرات کو وطن یعنی ترکیہ واپس آنے کی اجازت دی گئی۔ اس اجازت کے بعد عثمانی خاندان کے بعض لوگ ملک واپس آئے اور بعض اب بھی بیرون ملک رہائش پذیر ہیں۔ جلاوطنی کے زمانے میں سلطان وحید الدین خان اور سلطان عبد المجید ثانی وفات پا گئے۔

بہر حال اب سرزمین ترکیہ میں عثمانی خاندان کے جو لوگ رہائش پذیر ہیں ان میں سے استنبول میں عثمانیوں کے چشم و چراغ، سلطان عبد الحمید ثانی کے پڑپوتے ہارون آفندی اور سگڑ پوتے عبد الحمید آفندی سے ان کے گھر پر ۱۵ مئی بروز بدھ نمازِ عصر سے قبل ہماری ملاقات ہوئی۔ سگڑ پوتے عبد الحمید آفندی سے ان کا نسب یہ بنتا ہے: عبد الحمید آفندی آلِ عثمان ابنِ ہارون آفندی ابنِ عبد الرزاق آفندی ابنِ سلیم آفندی ابنِ سلطانِ معظم عبد الحمید ثانی خلیفۃ المسلمین۔ ہماری ان سے ملاقات کی سبیل یہ بنی کہ ہمارے ترکی کے دوستوں میں سے ایک عالم شیخ محمد سالم صاحب نے پروفیسر اربکان صاحب کے ایک پرانے شاگرد استاد شوقین سے جو صدر اردگان کے دوست بھی ہیں، رابطہ کیا اور آلِ عثمان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور بتایا کہ پاکستان سے چند علما یہاں موجود ہیں اور مسلمانوں کے آخری خلیفہ کی اولاد سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ استاد شوقین نے کہا کہ اگرچہ ان سے ملنے پر پابندی ہے اور عام طور سے ان سے ملنے جلنے میں خفیہ ادارے رکاوٹ ڈالتے ہیں، مگر ایک تدبیر یہ ہو سکتی ہے کہ میں صدر جمہوریہ کے نمائندے کی حیثیت سے ان سے ملنے جاؤں تو آپ حضرات خاموشی سے آجائیں۔ میں آپ لوگوں کو بھی اپنے وفد کا حصہ بنا کر اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ استاد شوقین صاحب یہاں پر ماضی میں میدانِ سیاست میں کافی فعال رہے ہیں، رکنِ

اسمبلی بھی منتخب ہوئے، پھر جلاوطنی اور قید و بند سے بھی گزرے۔ پروفیسر ارکان صاحب کے بڑے مقرب رہے اور اب دوستی صدر اردگان کے ساتھ بھی خوب ہے۔ کسی وجہ سے آپ رفاہ پارٹی سے الگ ہوئے۔ پھر کسی سیاسی پارٹی میں شمولیت کے بغیر الگ شناخت کے ساتھ ایک واعظ اور مبلغ کی حیثیت سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ اب تمام سیاسی پارٹیاں ان کا احترام کرتی ہیں۔ آپ دینی نقطۂ نظر رکھنے والے اور خاص طور پر خلافتِ عثمانیہ سے محبت کرنے والے رہنما کے طور پر معروف ہیں۔ چنانچہ حسبِ وعدہ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے گئے، اور الحمدللہ آلِ عثمان کے موجودہ سربراہ جناب ہارون آفندی اور ان کے صاحب زادے جناب عبدالحمید آفندی سے بڑی اچھی ملاقات رہی۔ ان سے ہم نے پوچھا کہ آپ جلاوطنی کے بعد ترکیہ واپس کب تشریف لائے اور آپ کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا؟ انھوں نے اپنے والد کا قصہ سنایا کہ ہم تو یہاں سے نکال دیے گئے تھے، میرے والد امریکہ چلے گئے تھے اور بقیہ عثمانی خاندان کے لوگ یورپ، امریکہ اور دوسرے علاقوں میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ کہنے لگے کہ بیرون ممالک میں ان کے خاندان کے افراد کے معاشی حالات ٹھیک نہیں تھے کیونکہ ان کی ذاتی جائیدادوں پر ترکیہ کی جمہوری حکومت نے قبضہ کرلیا تھا۔ ہماری معاشی حالت اتنی کمزور تھی کہ بیرونِ ملک مردوں کے علاوہ خاندان کی عورتوں کو بھی ملازمت کرکے گزارا کرنا پڑتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر ترکیہ کے وزیرِاعظم عدنان میندریس کو رحم آیا اور انھوں نے بیرونِ ترکیہ خاندان کے افراد سے ملاقات کی تاکہ انھیں ترکیہ واپس لایا جاسکے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکے۔ چونکہ فسخِ خلافت کی شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ خلیفہ مع اپنے خاندان جلاوطن کیا جائے گا۔ اسی طرح ترکیہ میں مصطفیٰ کمال کا نظریہ رکھنے والوں کے اتنے اثرات تھے کہ جب ۱۹۴۴ء میں سلطان عبدالمجید ثانی بیس سالہ جلاوطنی کے بعد پیرس میں انتقال کرگئے، تو ان کی وصیت تھی کہ انھیں استنبول میں اپنے آبائی قبرستان میں دفن کیا جائے۔ لیکن ترک حکومت نے ان کی میت وصول کرنے سے صاف انکار کر دیا، یہاں تک کہ ان کی لاش دس سال تک پیرس کی مسجد کے ایک کمرے میں محفوظ رکھی گئی۔ پھر ۱۹۵۴ء میں خلیفہ کی بیٹی کی درخواست پر ترک حکومت نے خلیفہ کی میت کو ترکی میں دفن کرنے پر رضامندی ظاہر

کی۔ مگر پورے ایوانِ نمائندگان کی منظوری کے باوجود ایک ڈیموکریٹک پارٹی کے رکن ریٹائرڈ ایڈمرل رفعت اوزداش نے اجازت دینے سے انکار کر دیا جس سے مرحوم خلیفہ کی بیٹی کی امید ختم ہوگئی۔ اس کے بعد مملکت سعودی عرب کے فرماں رواشاہ سعود بن عبدالعزیز نے ان کے والد کو مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں دفن کرنے کی اجازت دی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عدنان میندریس کی خواہش کے باوجود اس خاندان کے لوگوں کی وطن واپسی ممکن نہ ہوسکی یہاں تک کہ عدنان میندریس کو شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک اور وزیرِ اعظم ترگت صاحب آئے، وہ آلِ عثمان کو ترکیہ واپس لانے میں کامیاب ہوئے مگر وہ بھی شہریت نہیں دے سکے محض اقامہ دیا جس پر وہ یہاں رہنے لگے۔ ہارون آفندی کہتے ہیں کہ اقامہ تو فراہم کیا گیا مگر ہمارے ساتھ یہ ظلم ہوا کہ ہمارے جتنے اوقاف تھے اور جو ذاتی جائیداد تھی سب ہم سے چھین لی گئی اور باقاعدہ دستخط کروا لیے گئے کہ اس میں آپ کا کوئی حق نہیں ہے۔ حالانکہ ہمارے ساتھ طے یہ ہوا تھا کہ وہ اس کے بدلے کم از کم ہمیں شہریت دیں گے اور ہمیں یہاں رہنے کا حق ملے گا۔ بہر حال پھر بہت عرصے کے بعد اب جا کر موجودہ صدر رجب طیب اردگان کے زمانے میں انھیں شہریت ملی۔ ساتھ ہی اردگان نے سیکیورٹی فراہم کی ہے اور گزر بسر کے لیے تھوڑے بہت وظائف بھی جاری کیے ہیں۔ بہر حال کہا جاسکتا ہے کہ ترکیہ میں ان کی گزران متوسط درجے کی ہے۔

عثمانی سلطنت کے خاتمے کے بعد سلطنت تو اس خاندان میں باقی نہیں رہی مگر خاندان کا سربراہ مقرر کرنے کا طریقہ وہی ہے جو سلطنت کے زمانے میں ہوتا تھا، یعنی خاندان کا سربراہ وہی بنے گا جو بڑے بیٹے کا بڑا بیٹا ہو۔ اس حساب سے ہارون آفندی جن سے ہماری ملاقات ہوئی آلِ عثمان کے موجودہ سربراہ ہیں اور ان کی عمر ترانوے سال ہے۔ جب ہم نے ان سے عمر کے متعلق پوچھا تو بطورِ مزاح کہنے لگے کہ میری عمر سینتیس سال ہے اس سے زیادہ میں بڑا ہوتا ہی نہیں، یعنی میں جوان ہوں۔ اس موقعے پر انھوں نے بتایا کہ جب میرے والد عبدالرزاق آفندی امریکہ میں مقیم تھے تو انھوں نے ایغور مسلمانوں کے لیے آواز اٹھائی اور ان کے لیے چندہ اکھٹا کرنے لگے۔ جب میری عمر چار مہینے تھی تو اس وقت میرے والد کو چینیوں نے شہید کر دیا،

کیونکہ ایغور مسلمانوں کے حق میں آواز اٹھانا چین کے خلاف جاتا تھا تو انھوں نے میرے والد صاحب کو ایسے موقعے پر شہید کیا جب وہ سجدے میں تھے۔ پیچھے سے ان کے سر پر گولی ماری گئی۔ آج کل ان کے پوتے عبد الحمید آفندی کوشش کر رہے ہیں کہ اپنے دادا کی میت کو امریکہ سے ترکیہ منتقل کریں۔ ہارون آفندی نے بتایا کہ پھر ان کا خاندان امریکہ سے شام منتقل ہوا، شامی حکومت نے ہمیں پناہ دی ہوئی تھی۔ پھر جب شام میں حالات موافق نہیں رہے تو ہم سعودی عرب منتقل ہوئے اور پندرہ سال سعودی عرب میں رہے۔ ان کو شاہ فہد نے سرکاری پروٹوکول دیا ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہارون آفندی شامی لہجے میں عربی بولتے ہیں اور ترکی زبان بہت کم جانتے ہیں کیونکہ ان کی اکثر زندگی آبائی وطن سے باہر جلاوطنی میں گزری ہے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ ہم غزہ کے مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں تو ایک دلچسپ بات یہ بتائی کہ حماس کے سربراہ اسماعیل ہنیہ سے جب ان کی ملاقات ہوئی تو بتایا کہ ہمارے پاس کوئی شہریت نہیں ہے، تو اسماعیل ہنیہ نے کہا کہ ہم بھی آپ جیسے ہیں ہمارے پاس بھی کوئی شہریت نہیں ہے۔ اور بتایا کہ ہم دونوں کا جرم ایک ہی ہے کہ آپ کے پر دادا سلطان عبد الحمید ثانی نے ارضِ مقدس کے لیے اپنی خلافت قربان کی اور بیت المقدس کو یہودیوں کے ہاتھوں نہیں بیچا۔ تو اس لحاظ سے آپ بھی وہی سزا بھگت رہے ہیں کہ کسی ملک کا پاسپورٹ نہیں ہے اور ہم بھی یہی سزا بھگت رہے ہیں کہ بیت المقدس کی حفاظت کے لیے لڑ رہے ہیں اور ہمارے پاس بھی کوئی شہریت نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ کچھ سال پرانا واقعہ ہے اسماعیل ہنیہ نے کہا آپ اور ہم غزہ میں آزاد رہیں گے۔

بہر حال اس خاندان کے سربراہ اور عثمانیوں کے چشم و چراغ ہارون آفندی اور ان کے صاحب زادے سے ملنا زندگی کی ایک یادگار ملاقات تھی۔ اس ملاقات سے واپس فاتح استنبول میں اپنی رہائش گاہ پہنچ کر جب کچھ دیر سستانے کو ہم بستر پر لیٹے تو لڑکپن سے آج تک جو کچھ سلطنتِ عثمانیہ کی تاریخ پڑھ رکھی تھی وہ نظروں کے سامنے آتی رہی۔ ہارون آفندی کے جدِ اعلیٰ عثمان تو کبھی ان کے دادا موفق من اللہ، بشارتِ رسول اللہ ﷺ سلطان محمد فاتح کا بازنطینیوں کے خلاف جہاد، تو کبھی یاووز سلیم اور سلیمان القانونی کے کارنامے یاد آتے رہے۔ کبھی شمشیر و سناں اول کا مصداق توپ کاپی سرائے اور کبھی طاؤس و رباب آخر کی تصویر ڈولما

باچے پیلس بے قرار کرتے رہے۔ ایک لمحے کو چشمِ تصور یہ دیکھنے لگتی کہ ہارون آفندی تختِ سلطنت پر براجمان ہوتے تو کیا شان ہوتی اور دوسرے ہی لمحے چشمِ حقیقت سے ہم ان کی بے کسی دیکھ کر ﴿ كُلُّ مَنْ عَلَيها فَانْ ﴾ کی گواہی دیتے۔ اس کشمکش کے بیچ اس بات پر دل نازاں ہے کہ ایک سچے عاشقِ رسول، مجاہد القدس جس نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا مگر یہودی ہرزل کے ہاتھوں بیت المقدس کا سودا نہیں کیا، یعنی سلطانِ معظم عبدالحمید خان رحمہ اللہ خلیفۃ المسلمین کی اولاد سے، جو اسی جرم کی سزا کاٹ رہی ہے، ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس ملاقات کا وقت بھی ہمارے لیے ایک بشارت سے کم نہیں کہ جب طوفان الاقصیٰ کو سات ماہ بیت چکے ہیں اور یہ عاجز اس دوران اکثر اسی مہم میں اندرون اور بیرون ملک محوِ سفر رہا ہے اور ابھی بھی اسی سلسلے میں آخری دار الخلافہ استنبول کی سڑکوں پر سرگرداں ہے۔

* * * * *

یسئلونک

دارالافتاء، فقہ اکیڈمی

اجتماعی قربانی میں بقیہ شرکا کی آمدنی کی تحقیق

سوال: جب قربانی کے لیے حصہ ڈالا جاتا ہے تو کیا یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بقیہ چھے افراد جو حصہ ڈال رہے ہیں، ان کی آمدنی حلال ہے یا نہیں؟ اگر ہم کسی مسجد یا کسی بڑی جماعت میں حصہ ڈالیں تو باقی حصے داروں کے بارے میں عموماً کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں کیا قربانی ادا ہوجائے گی؟ اور ہمارے حصے کا گوشت ہمارے لیے حلال ہوگا؟ رہنمائی فرمادیں، جزاکم اللہ خیراً

جواب: موجودہ دور میں اجتماعی قربانی کا رواج عام ہورہا ہے، اور بہت سارے ادارے یہ خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ جائز ہے، شرعا! اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور اجتماعی قربانی میں ایک بات کا خاص طور پر خیال رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر حرام آمدنی والے افراد کے ساتھ شرکت نہ ہو، ورنہ قربانی صحیح نہیں ہوگی، اس لیے اجتماعی قربانی کا انتظام کرنے والے اداروں پر ضروری ہے کہ اس بات کا خیال رکھیں، اور اس کی آسان صورت یہ ہے کہ جہاں حصوں کی بکنگ ہوتی ہے وہاں بڑے حروف میں یہ اعلان لکھ کر آویزاں کریں کہ "حرام آمدنی والے مثلا، سود، جوا، بینک، انشورنس، رشوت، ڈاکہ اور چوری کی رقم والے اجتماعی قربانی میں شرکت نہ کریں ورنہ وہ خود ذمے دار ہوں گے"۔ البتہ اگر کسی شخص کے بارے میں حرام آمدنی کے قرائن موجود ہوں تو اس سے درخواست کی جائے کہ وہ کہیں سے حلال مال لاکر قربانی میں شریک ہو اور حرام رقم ہرگز شامل نہ کریں۔ لہذا صورتِ مسئولہ میں قربانی کے لیے مسجد، یا بڑی جماعت میں حصہ ڈالنا درست ہے، بلا وجہ کسی پر شک شبہہ کرنا درست نہیں۔ البتہ اجتماعی قربانی میں حصہ ڈالنے سے پہلے

اس بات کی یقین دہانی کرلیں کہ وہ ادارہ علماے کرام کی نگرانی میں یا ان سے مسئلہ پوچھ کر شرعی تقاضوں کے مطابق تمام مراحل انجام دیتا ہے۔ تحقیق کر کے اطمینان کرلیں، اس کے بعد حصہ ڈال کر شریک ہوں۔

لأنا قد أمرنا بحسن الظن بالمؤمنين وحمل أمورهم على ما يجوز فوجب حمله على ما يجوز. (أحكام القرآن للجصاص - (۱۶۱/۵)

الباب الثامن فيما يتعلق بالشركة في الضحايا

يجب أن يعلم أن الشاة لا تجزئ إلا عن واحد، وإن كانت عظيمة، والبقر والبعير يجزي عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالى، والتقدير بالسبع يمنع الزيادة، ولا يمنع النقصان، كذا في الخلاصة. (الفتاوى الهندية (۳۰۴/۵)

وجه الاستحسان أنه لما اشتراها للذبح وعينها لذلك فإذا ذبحها غيره فقد حصل غرضه وأسقط عنه مؤنة الذبح، فالظاهر أنه رضي بذلك فكان مأذونا فيه دلالة فلا يضمن ويجزيه عن الأضحية كما لو أذن له بذلك نصا، وبه تبين وهي قول الشافعي - رحمه الله - أنه يجزيه عن الأضحية ويضمن الذابح؛ لأن كون الذبح مأذونا فيه يمنع وجوب الضمان؛ كما لو نص على الإذن؛ وكما لو باعها بإذن صاحبها ولو لم يرض به وأراد الضمان يقع عن المضحي. (بدائع الصنائع، دارالكتب العلمية (۶۷/۵)

۲۳جون ۲۰۲۲ء

فتوی نمبر: ۵۶۱۰

والله اعلم بالصواب

* * * * *

دارالافتاء

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

قربانی سے متعلق چند سوالات

سوال: جانور ذبح کرتے وقت اگر "بسم اللہ" بھول جائے تو جانور حلال ہو گا کہ حرام؟

جواب: جانور ذبح کرتے وقت، مسلمان ذبح کرنے والا "بسم اللہ" کہنا بھول جائے تو ذبح شدہ جانور حلال ہے۔

فتویٰ نمبر: 144103200566

سوال: اگر جانور کو ذبح کرنے کے لیے دو آدمیوں نے چھری پکڑی ہو اور ایک تکبیر پڑھے لیکن دوسرا نہ پڑھے تو جانور حلال ہو گا؟ اگر جس نے تکبیر نہیں پڑھی وہ تھوڑا سا گلا کاٹ کر ہٹ جائے اور دوسرا پورا ذبح کردے تو ٹھیک ہے؟

جواب: جانور کو ذبح کرنے والے کے لیے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا واجب ہے، اگر ذبح کرنے والے بیک وقت دو افراد ہوں تو دونوں کے لیے بسم اللہ پڑھنا واجب ہے، لہذا پہلی صورت میں اگر دونوں میں سے کسی ایک شخص نے قصداً اور جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑی ہو تو جانور حلال نہ ہو گا، اور دوسری صورت میں بھی پہلے ذبح کرنے والے کے جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑنے کی صورت میں جانور حلال نہیں ہو گا، البتہ بھول کر چھوڑنے کی صورت میں حلال ہو گا، واللہ اعلم!

فتویٰ نمبر: 143611200016

سوال: قربانی کی کھال فقیر کو دینا لازمی ہے یا امیر کو بھی دے سکتے ہیں؟ نیز اس کا مسلمان ہونا شرط ہے یا نہیں؟

جواب: قربانی کی کھال جب تک فروخت نہ کی جائے قربانی کرنے والے کو اس میں تین قسم کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں:

(۱) خود استعمال کرنا

(۲) کسی کو ہدیے کے طور پر دینا

(۳) فقرا اور مساکین پر صدقہ کرنا

تاہم اگر قربانی کی کھال نقد رقم یا کسی چیز کے عوض فروخت کر دی گئی تو اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، اور کھال کی قیمت کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے، لہٰذا کھال کی قیمت کسی مال دار کو دینا جائز نہیں ہے، بلکہ فقیر کو دینا ضروری ہے۔ البتہ اگر قربانی کی کھال ہی ہدیہ کے طور پر دینی ہو تو وہ مال دار، فقیر اور غیر مسلم کو دینا بھی جائز ہے۔

فتویٰ نمبر: 144201201309

*****

مولانا حماد احمد ترک
نائب مدیر ماہ نامہ مفاہیم کراچی

چراغ اپنا جلا رہا ہے

معرکہ طوفان الاقصیٰ کو شروع ہوئے آٹھ مہینے سے زائد عرصہ ہو چکا ہے لیکن فلسطینی مزاحمت استقامت کا پہاڑ بنی ہوئی ہے۔ نہ کھانا ہے نہ پانی، علاج ہے نہ امن و سکون، پھر بھی آٹھ مہینوں سے ارضِ مقدس کا دفاع جاری ہے، ان کی مثال اقبال کے اُس مردِ درویش کی سی ہے جو ہر حال میں اپنا چراغ روشن رکھتا ہے:

ہَوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروانہ

مارچ اور اپریل میں مستقل نیتن یاہو اور اس کے حواری رفح پر حملے کی دھمکیاں دے کر فلسطینیوں کو جھکانے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ پوری دنیا کو یہ باور کرایا گیا کہ قطاعِ غزہ شمال سے جنوب تک اسرائیلیوں کے تسلط میں ہے۔ بیتِ حانون سے خان یونس تک صیہونی سپاہی فتح کے پھریرے لہراتے پھرتے ہیں اور اب مصری سرحد سے متّصل انتہائی جنوب میں واقع ایک رفح شہر باقی رہ گیا ہے۔ وزیرِ اعظم نیتن یاہو نے متعدّد تقریروں میں یہ بات دہرائی کہ ہم پوری طرح غالب ہیں اور بالخصوص الشفا اسپتال پر قبضے کو یوں پیش کیا گیا کہ گویا کوئی قلعہ فتح ہو گیا ہو۔ نیتن یاہو نے شمالی غزہ کے دورے کے بعد کہا کہ ہماری افواج جہاں چاہیں جا سکتی ہیں۔ نیتن یاہو کی اس بات سے ہم بھی متفق ہیں کہ صیہونی افواج یقیناً جہاں چاہیں جا سکتی ہیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جہاں جہاں وہ جاتی ہیں بہت بے آبرو ہو کر آتی ہیں۔ خیر، بات ہو رہی تھی رفح کی، وہ رفح جہاں پندرہ لاکھ فلسطینی شہری پناہ گزین ہیں اور ہزاروں خیمہ بستیاں معصوم فلسطینیوں کی آخری امید ہیں۔ اسرائیل نے حماس پر دباؤ ڈالنے کے لیے بار بار رفح شہر میں بڑے زمینی آپریشن کا اعلان کیا اور امریکہ سمیت متعدّد بڑے ممالک نے اس پر تشویش کا اظہار کیا۔ جو بائیڈن نے اس آپریشن میں امریکی سرپرستی نہ ہونے کا اعلان کیا جس پر نیتن یاہو اور جو بائیڈن میں اختلافات بھی ہوئے۔ قصّہ

مختصر، جس وقت دنیا رفح پر ممکنہ حملے سے خوف زدہ تھی، وسیع پیمانے پر شمالی غزہ سے اسرائیل کے متعدّد شہروں پر حملے شروع ہوگئے اور ان میں تیزی آتی گئی۔ شمالی غزہ کے وہ شہر جہاں کل تک صیہونی افواج مکمل قبضے کی دعوے دار تھیں، انھی شہروں سے کہیں کتائب القسام اور کہیں سرایا القدس کے مجاہدین کے مناظر نشر ہونے لگے جو مارٹر گولوں، اسنائپر بندوقوں اور راکٹوں سے ٹینک، پیادہ فوج اور عسکری ٹھکانوں کو تباہ کرنے میں مشغول تھے۔ سرنگوں اور خالی مکانوں کو چارے کے طور پر استعمال کرنے اور فوجیوں کی آمد پر انھیں دھماکے سے اڑا دینے کے دسیوں واقعات قریب قریب رونما ہونے لگے۔ اس سے اسرائیلی دعووں کی قلعی کھل گئی اور شمال میں از سرِ نو جنگ شروع ہو گئی۔ سب سے پہلے انتہائی شمال میں واقع مجاہدین کے ''مضبوط قلعے'' کمال عَدوان اسپتال کو نشانہ بنایا گیا، ایسی گولہ باری کی گئی کہ پوری عمارت ناکارہ ہوگئی اور اسپتال کے عملے نے خدمات سے ہاتھ اٹھالیے۔ زخمیوں اور طبیبوں کی بے توقیری کی گئی، صحافیوں اور طبی عملے پر تشدد کیا گیا اور متعدّد شہری گرفتار کیے گئے۔

غزہ کے شمال میں واقع جبالیا کیمپ پر حملہ کیا گیا جو کئی دن تک جاری رہا۔ واضح رہے کہ جبالیا ان مقامات میں سے ایک ہے جہاں حالیہ جنگ میں سب سے زیادہ بمباری کی گئی۔ کئی دنوں تک یہاں شہریوں کا قتلِ عام ہوا، گھر لوٹ لیے گئے، بازار ویران ہوگئے لیکن نہ کوئی اسرائیلی قیدی چھڑایا جاسکا اور نہ ہی کسی مجاہد کو گرفتار کیا جاسکا، بلکہ ایک مکان کی چھت سے دو مجاہدین کی وڈیو بھی جو اسرائیلی ڈرون کے ذریعے بنائی گئی تھی شائع کی گئی جس میں انھیں بے جگری سے لڑتے اور شہید ہوتے ہوئے دکھایا گیا۔ جبالیا سے اسرائیلی فوج کی پسپائی کے بعد شمالی غزہ کے اسپتالوں میں اجتماعی قبروں کی دریافت کا ایک افسوس ناک سلسلہ شروع ہوا جس میں صرف الشفا اسپتال سے تین اجتماعی قبریں دریافت ہوئیں۔ شمالی غزہ میں مجموعی طور پر سات اجتماعی قبریں ملیں جن میں ۵۲۰ شہدا مدفون تھے جن میں غالب اکثریت خواتین اور بچوں کی تھی۔ کتنے ہی شہدا کو ہاتھ پاؤں باندھ کر زندہ دفنایا گیا تھا: ﴿وَهُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ٥ وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَن يُؤْمِنُوا بِاللهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ ''اور وہ ایمان والوں کے ساتھ جو کچھ کر رہے تھے، اس کا نظارہ کرتے جاتے تھے۔ اور وہ ایمان والوں کو کسی اور بات کی نہیں، صرف اس بات کی سزا دے رہے تھے کہ وہ اس اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو بڑے اقتدار والا، بہت قابلِ تعریف ہے''۔

مئی کے آغاز میں ہی مجاہدین کی جانب سے ایک شان دار کارنامہ نشر ہوا تھا جس میں رفح کے قریب جنوبی غزہ کو اسرائیل سے ملانے والی کرم ابو سالم کراسنگ پر حملے میں ایک افسر اور متعدّد فوجی جہنم واصل ہوئے تھے۔ یہ حملہ شارٹ رینج میزائل ''رجوم'' سے کیا گیا جس کے مناظر کتائب القسام نے نشر کیے۔ اس واقعے کے بعد سرکاری عہدے دار ''آئرن ڈوم'' کی کارکردگی پر سوالات اٹھا رہے ہیں۔ اس حملے کا بدلہ رفح کے مہاجر کیمپوں میں مقیم بے گناہ شہریوں سے لیا گیا اور اسرائیل نے پناہ گزینوں کے کیمپوں پر یکے بعد دیگرے کئی فضائی حملے کیے اور اس کے ساتھ ہی بڑے پیمانے پر زمینی کارروائی کا آغاز کر دیا گیا۔ اگرچہ ان حملوں کے نتیجے میں کئی دنوں بعد اسرائیل رفح کراسنگ پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہا لیکن اس دوران مرکاوا ٹینکوں، ڈی نائن بلڈوزروں اور نمر بکتر بندوں سمیت پیادہ دستوں کے متعدّد افسر اور سپاہی خاک میں مل گئے۔ پورے مہینے شمال میں جبالیا اور جنوب میں رفح مجاہدین کی فتوحات کا مرکز بنے رہے اور روزانہ کی بنیاد پر کامیاب حملوں کی اطلاعات آتی رہیں۔ رفح کراسنگ پر قبضے کے دوران اسرائیلی اور مصری افواج میں بھی جھڑپ ہوئی جس میں ایک مصری سپاہی شہید ہوا۔ اس جھڑپ کی تفصیلات تو معلوم نہ ہو سکیں البتہ الجزیرۃ کے مطابق شہید ہونے والا سپاہی غزہ کی حالت پر بہت غمگین تھا اور سوشل میڈیا پر مستقل فلسطینیوں کی حمایت کے پیغام نشر کرتا تھا۔ ممکن ہے کہ اسرائیلیوں کو دیکھ کر اس نے اسلحے کا استعمال کیا ہو اور جوابی کارروائی میں شہید ہو گیا ہو، واللہ اعلم! مجاہدین نے انھی دنوں ایک اور کارنامہ یہ انجام دیا کہ مغویوں کی رہائی کے لیے غزہ آنے ''بہادر'' صیہونی سپاہیوں کے ایک دستے پر حملہ کر کے اکثر کو قتل کر دیا اور دو تین سپاہی زندہ گرفتار کر لیے گئے، جس پر خود اسرائیلی شہری اپنی فوج کی کارکردگی پر غضب ناک ہیں۔

اسرائیل کے لیے قطاعِ غزہ ہی ناقابلِ تسخیر محاذ نہیں ہے بلکہ مغربی کنارے میں جنین، نابلس، طول کرم، طوباس، رام اللہ اور القدس کا محاذ بھی سیسہ پلائی دیوار ثابت ہو رہا ہے۔ کوئی دن نہیں گزرتا کہ چھری چاقو، فائرنگ اور دیسی ساختہ بموں کے حملے کی اطلاعات نہ آتی ہوں۔ سات اکتوبر سے اب تک صرف مغربی کنارے سے نو ہزار سے زائد فلسطینی گرفتار ہو چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ شمالی اسرائیل پر لبنان سے حملوں میں بہت زیادہ شدت آ چکی ہے۔ کئی تجزیہ کار عن قریب حزب اللہ اور اسرائیل کی باقاعدہ جنگ کی پیش گوئی کر رہے ہیں۔ شمالی اسرائیل کے

شہریوں کی اکثریت ملک چھوڑ چکی ہے۔گذشتہ دنوں لبنان کے قریب واقع اسرائیلی شہر ”کریات شمونہ“ کے میئر نے حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ریاست ہمارا تحفظ کرنے سے قاصر ہے۔ایک خبر کے مطابق یہاں کے چوبیس ہزار شہریوں میں سے محض چار ہزار شہری بچے ہیں جو اب تک مقیم ہیں۔الجزیرۃ کے مطابق حزب اللہ کے حملوں میں راکٹ، میزائل، ڈرون اور خودکش ڈرون حملے شامل ہیں جو روزانہ عسکری تنصیبات اور سپاہیوں کو نشانہ بناتے ہیں۔

اسرائیل کے حالیہ جنگ میں ایک بڑا دھچکا باب المندب کی بندش ہے جسے یمنی حوثیوں نے نومبر میں بند کرنے کا اعلان کیا تھا۔یہ آبی گزر گاہ اسرائیل آنے والے بحری جہازوں کے لیے اہم ترین گزر گاہ ہے۔امریکہ نے یمنی حوثیوں کا بحری حصار توڑنے کے لیے برطانیہ اور فرانس سمیت دس ممالک کا لشکر تیار کیا لیکن سات مہینے گزر جانے کے بعد بھی یہ حصار برقرار ہے بلکہ یمنی فوج ”انصار اللہ“ مستقل امریکی، برطانوی اور اسرائیل سے وابستہ ہر کشتی اور جہاز کو نشانہ بنا رہی ہے۔نہایت افسوس ہے کہ اس آبی گزر گاہ کی بندش سے اسرائیل کی اکثر درآمدات بند ہو چکی تھیں لیکن دبئی، سعودی عرب اور اردن نے زمینی راستہ فراہم کر کے غداری کی خاندانی روایت کو برقرار رکھا، آلِ سعود اور شاہِ اردن کا یہ غدر بلاشبہ امتِ مسلمہ کی درخشاں تاریخ میں سیاہ باب کے طور پر لکھا جائے گا، نگاہ ہے یا رسول اللہؐ نگاہ ہے !اور اب بھی اسرائیلی سامان براستہ اردن صیہونی افواج کو تقویت پہنچا رہا ہے، بقولِ اقبالؔ:

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفیٰؐ

مصر اور قطر کی ثالثی سے مئی کے مہینے میں مذاکرات کی کوششوں میں تیزی نظر آئی بالخصوص امریکہ نے جنگ بندی اور مذاکرات پر بہت زور دیا لیکن تاحال فریقین میں شرائط پر اتفاق نہیں ہو سکا۔حماس نے مذاکرات کی لازمی شرط یہ رکھی ہے کہ صیہونی افواج کا مکمل انخلا، ۶۷ء کی سرحدوں کی بحالی اور دائمی جنگ بندی ہوگی تو مذاکرات آگے بڑھیں گے، عارضی جنگ بندی منظور نہیں۔فلسطین کی حمایت میں امریکی جامعات میں پر زور مظاہرے تاحال جاری ہیں جن کا تذکرہ گذشتہ شمارے میں کیا جا چکا ہے۔ان کی وجہ سے جلد ہونے والے امریکی انتخابات میں جو بائیڈن کی سیاسی حالت کمزور ہو چکی ہے۔کئی جامعات کی تقریبِ تقسیمِ اسناد میں یہ مناظر نظر آئے کہ منظم انداز میں طلبہ و طالبات اپنی سند وصول کرتے ہوئے فلسطین کا جھنڈا یا اہلِ فلسطین سے ہمدردی پر مبنی کوئی عبارت حاضرین کو دکھاتے ہوئے

گزرتے رہے، سالانہ تقاریب اہلِ فلسطین سے اظہارِ یک جہتی کے جلسوں میں تبدیل ہوتی دکھائی دیں۔ مزید یہ کہ اسپین، آئرلینڈ اور ناروے نے فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کا اعلان کیا اور اسپین نے اسرائیلی جانے والے کسی بھی جہاز کو اپنی بندر گاہ فراہم نہ کرنے کا پیغام دیا۔ جنوبی افریقا مستقل عالمی عدالت میں فلسطین کا مقدمہ لڑ رہا ہے۔ برازیل نے اسرائیل سے اپنا سفیر واپس بلا لیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کھیل کے میدان، فیشن شوز، سیاسی جلسوں اور دیگر عوامی اجتماعات میں دنیا بھر کے لوگ فلسطینیوں سے اظہارِ یک جہتی کر رہے ہیں۔ مئی میں سوشل میڈیا پر دنیا بھر میں All eyes on Rafah ٹاپ ٹرینڈ رہا۔ بائیکاٹ مہم اب بھی زور و شور سے جاری ہے۔ ہر رات کی ایک صبح ہوتی ہے اور عن قریب یہ تاریکی چھٹ جائے گی، اہم یہ ہے کہ اس ظلمت میں ہمارا کردار کیا تھا؟

حالیہ جنگ میں اسرائیلی سپاہیوں کی بڑی تعداد زخمی یا معذور ہو گئی، جس کے بعد نیتن یاہو نے یہودی مدارس کے طلبہ ”حریدیم“ کے لیے قانون بنایا کہ وہ بھی متعیّن مدت تک اسرائیلی فوج میں خدمات ادا کرنے کے پابند ہیں اور انھیں کوئی استثنا حاصل نہیں۔ مذہبی یہودی اس قانون پر نیتن یاہو سے سخت نالاں ہیں اور جگہ جگہ احتجاج کر رہے ہیں۔ دوسری طرف، مغویوں کے اہلِ خانہ اسرائیل کے مختلف شہروں میں کئی مہینوں سے احتجاج کر رہے ہیں اور جیسے جیسے اسرائیلی بمباری کے نتیجے میں حماس مغویوں کی ہلاکت کا اعلان کر رہی ہے اس احتجاج میں شدت آتی جا رہی ہے اور مغویوں کے اہلِ خانہ اسرائیلی ریاست پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ حماس سے قیدیوں کے تبادلے کا معاہدہ کرے۔ آئرن ڈوم کی ناکامی اور مجاہدین کے گولوں کا اسرائیلی بستیوں کو نشانہ بنانا شہریوں کو مزید اشتعال دلا رہا ہے۔ اپوزیشن بھی نیتن یاہو کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے۔ حال ہی میں سابق فوجی جنرل، سابق وزیرِ دفاع، سابق نائب وزیرِ اعظم اور موجودہ جنگی کابینہ کا رکن بینی گانٹز استعفا دے کر حکومت سے الگ ہو گیا ہے اور نئے انتخابات کا خواہش مند ہے۔ بینی گانٹز اسرائیلی کابینہ کا بہت اہم رکن تھا، اس نے بیان دیا کہ ہمیں اپنی ناکامی کو تسلیم کرنا چاہیے اور سات اکتوبر کی شکست کی تحقیقات ہونی چاہییں۔ اسی طرح جنگی کابینہ کے ایک اور اہم رکن آئیزن کوٹ نے بھی حال ہی میں استعفا دیا ہے۔ آئزن کوٹ اسرائیلی فوج کی مشہور گولانی بریگیڈ میں افسر رہا ہے اور کچھ عرصہ چیف آف اسٹاف کا عہدہ بھی اس کے پاس تھا۔ حالیہ جنگ کے آغاز میں اس کا ایک بیٹا بھی قتل ہوا

تھا۔ آئیزن کوٹ نیتن یاہو کی پالیسی سے متفق نہیں ہے، اس کا خیال ہے کہ قیدیوں کی واپسی کا واحد راستہ معاہدہ ہے۔

جون کے آغاز میں ایک اہم واقعہ یہ ہوا کہ اسرئیل اور امریکہ نے مشترکہ بحری، برّی اور فوجی آپریشن کر کے چار مغویوں کو رہا کرا لیا۔ اس واقعے کی تفصیل سے قبل آپ کو تیرتی بندر گاہ کا قصہ سناتے ہیں۔ چھے مہینے سے سننے میں آرہا تھا کہ امریکہ غزہ میں عارضی بندر گاہ بنا رہا ہے۔ مئی میں امریکہ کی اس عارضی بندر گاہ سے (جسے تیرتی ہوئی بندر گاہ کہا جا رہا ہے) غزہ میں بڑی مقدار میں امدادی ٹرک داخل ہوئے۔ چند ہی دنوں بعد امریکہ نے یہ آپریشن بند کر دیا۔ جون کے پہلے ہفتے میں دوبارہ شمالی غزہ کے ساحل پر یہ بندر گاہ فعال ہو گئی۔ جبالیا سے انخلا کے بعد اسرائیلی افواج نے وسطی غزہ میں نصیرات کیمپ کا محاصرہ کیا اور چار مغوی رہا کروائے۔ سات اکتوبر سے اب تک اسرائیل، امریکہ اور برطانیہ مغویوں کی تلاش میں جتے ہوئے تھے لیکن کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا، یہ پہلا موقع ہے کہ امریکہ نے نصیرات کیمپ کے ایک مکان میں مغویوں کی موجودگی کی اطلاع دی۔ الجزیرۃ کے مطابق اسرائیل نے اپنی کمانڈو فورس کے دستے کو اس آپریشن کے لیے نصیرات بھیجا۔ دوسری طرف سے اسرائیلی اور امریکی سپاہیوں کا دستہ ایک امدادی ٹرک میں رضا کاروں کا بھیس بدل کر مطلوبہ مکان پہنچا۔ عارضی امریکی بندر گاہ سے بھی اس آپریشن کی معاونت کی گئی اور انتہائی شدید فضائی بمباری اور دھماکوں میں یہ آپریشن انجام دیا گیا۔ بمباری کے نتیجے میں تین سو کے قریب فلسطینی شہید اور چار سو سے زائد زخمی ہوئے۔ اس آپریشن میں تین مغوی ہلاک ہوئے۔ اسرائیلی فوج کا ایک اعلیٰ افسر اور اٹھارہ اسرائیلی کمانڈو جہنم واصل ہوئے اور چار مغوی زندہ حالت میں واپس اسرائیل پہنچا دیے گئے۔ الجزیرۃ کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ چار میں سے ایک مغوی کو جس ہیلی کاپٹر نے ریسکیو کیا وہ عارضی بندر گاہ سے اڑا تھا، امریکہ نے اس کی تردید کی ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ امریکہ کبھی بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور رہا جھوٹا بیان... تو وہ آج تک امریکہ کی حکومت نے کبھی نہیں دیا، کم از کم عراق اور افغانستان کے معاملے میں تو ہرگز نہیں۔ اب یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے کہ اٹھارہ بہترین کمانڈو، ایک افسر اور تین شہری مروا کر چار قیدی چھڑانا، وہ بھی رضا کاروں کے بھیس میں، بہادر صیہونی فوج کی کامیابی ہے یا نہیں۔

* * * * *